کتاب سازی، وراقت

از
جناب بقلااللہ محمد عبدالحلیم چشتی صاحب، کانو، نائجیریا

اسلامی قلمرو میں ہر نوع کے کتب خانوں کی کثرت حکم اقرار کے نور کا فیضان وعوامل ومحرکات کتب خانہ اور عباسی خلفار کی عالمگیر تحریک کتب خانہ کا اثر تھا، اس سے ہر طرف علم کی روشنی پھیلتی رہی، ہر شہر وبستی میں علمی وتحقیقاتی سرگرمیاں پروان چڑھتی رہیں، ہر موضوع پر نت نئی کتابیں بازار میں آتی اور کتب خانوں میں پہنچتی تھیں، کتب وکتب خانہ ہر پڑھے لکھے کا ایسا ہردلعزیز مشغلہ بن گیا تھا کہ اس کے بنائے رکھنے اور دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچانے کے لئے وہ اپنی عمر عزیز کا معتدبہ حصہ کتابوں کی نقل، تصحیح ومقابلہ میں صرف کرتا، پھر اسے کتب خانوں میں وقف کرتا تھا، ان کتب خانوں کی طلب ورسد جن ذرائع سے پوری ہوتی، اور کتاب جن منازل سے گزر کر کتب خانوں میں پہنچنے کے لائق ہوتی تھی، اس مقالہ میں اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی، اسی لئے اس کا عنوان کتاب سازی، وراقت رکھا گیا، پہلے کاغذ سازی، اس کے اقسام، صنعت کاغذ سازی کے مراکز، کاغذ کی مقامی نسبتوں سے شہرت، بہترین کاغذ کی پہچان، سامان کتابت، قلم، دوات، سیاہی، نقل وضبط کا اہتمام، کتابت و خوشنویسی، اقسام خط، تحریر وکتب شناسی، شعبہ ومدرسۂ خوشنویسی کا قیام، کتابوں میں اعراب کا اہتمام، مقابلہ کتاب، تخریج والحاق نقص، عبارت قلم زد کرنا، مٹانا، قواعد صحت کتاب واحتیاطی پہلو، تصحیح میں احتیاط واصطلاحات، کاتبوں کا ضابطۂ اخلاق، ناقل وکاتب کی شروط سے بحث کی گئی ہے، آئندہ کسی شمارے میں صنعت وراقت، سوق الوراقین کی نوعیت، کثرت، مراکز، ان کی علمی وثقافتی حیثیت، تجارت کتب، کتب فروشوں کی خصوصیات، فروغ تجارت کتب کے عوامل، معیاری ومستند ناشرین، گراں وارزاں قیمت، انتخاب کتب کے اصول ومبادی اور تبصرۂ کتب پر روشنی ڈالیں گے، اس لئے کہ عہد عباسی میں کتابوں کا ان تمام پہلوؤں سے

جائزہ لیا جاتا تھا، ان مراحل سے گزرنے کے بعد کتاب کتب خانہ میں جگہ پاتی اور اہل علم کے استفادہ کے لائق سمجھی جاتی تھی، اس سے عہد عباسی کے اس علمی و ثقافتی ورثہ کی قدر و قیمت اور استنادی حیثیت کی وضاحت ہوتی ہے جو کتب خانوں میں طلبہ، اساتذہ، محققین و شائقین کتب کے استفادہ کے لئے رکھا جاتا تھا، عہد عباسی کی یہ وہی تحقیقات اور جدتیں تھیں جنھیں یورپ کی ترقی اور موجودہ تحقیقات کی اساس بننے کا فخر حاصل ہے۔

کاغذ: روئی سے کاغذ کی ایجاد اور اس کی صنعت کے اولین خطہ وقال سے بحث ہمارے مقالہ کا موضوع نہیں ہے، اس لئے ہم عہد عباسی میں مواد کتب سے روشناس کرانے کے لئے اس کا سرسری جائزہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، کاغذ کی صنعت نے سلطنتوں کو چاندی اور سونے کے سکوں کے بوجھ سے ہلکا کرنے کے لئے زر کاغذی مہیا کیا، اور علمی و ادبی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا، یہ کہنا بجا ہے کہ کاغذ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس نے قدیم و جدید علمی سرمایہ کو منتقل کرنے، محفوظ رکھنے، اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے، اور پروان چڑھانے میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے، مسلمانوں نے جب اس صنعت سے دنیا کو روشناس کرایا، علمی و ثقافتی ورثہ اسی کاغذ پر منتقل ہوتا رہا، اور ہوتا رہے گا، پیپائرس کا آج تاریخوں میں نام ضرور روشن ہے لیکن ہماری لائبریریاں اس سے خالی ہیں، بابل و نینوا کی کھدائی سے جو الواح دریافت ہوئی ہیں، وہ اگر تواتر کے ساتھ نقل ہوتی رہتیں تو بھی یہ نئی دریافت بنی نوع انسان کے لئے ناگزیر تھی، اس اعتبار سے کاغذ ہی وہ مواد کتابت ہے جس نے ناپائیداری کے باوجود اپنی ارزانی، فراوانی کے سبب ہر نوع کے قدیم و جدید علمی سرمائے کو ہم تک بآسانی منتقل کیا، تحریک احیائے علوم و فنون و تحریک کتب خانہ سازی کو حیات جاوید عطا کی اور گھر گھر کتب خانہ قائم کیا۔

عہد قدیم سے جن متمدن اقوام میں نوشت و خواند کا آغاز ہوا اور تھوڑا بہت چرچا رہا تھا ان میں مصری رومی، فارسی، ہندی، چینی، یونانی، عرب سب ہی شامل تھے، انھوں نے جو مواد لکھنے کے لئے انتخاب کیا تھا اس کا تذکرہ ابن الندیم نے الفہرست میں کیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان نے لکھنے کے لئے مٹی، پتھر، لکڑی، تانبا، درخت کے پتے، چھال، گھاس، چمڑا، ہڈی، کپڑا اور اوراق بردی (Papyrus) اور چینی کاغذ سب ہی کچھ استعمال کیا تھا، چنانچہ اشور بانی پال کا پورا کتب خانہ گلی تختیوں (Clay Tablets) پر مشتمل تھا۔[1] یونانی چمڑے پر،[2] رومی سفید ریشم، نرم کھال اور اوراق بردی پر، جنگلی گدھے کے چمڑے پر، اہل فارس بھینس، گائے اور بکری کی کھال پر، عرب اونٹ کے شانہ کی ہڈی، سنگ سفید کے ٹکڑوں، کھجور کی چوڑی چکلی ٹہنیوں[3] اور چمڑے پر بھی لکھتے تھے،[4] چینی گھاس سے تیار کردہ کاغذ پر لکھتے تھے۔[5] اہل ہند تانبے، پتھر اور سفید ریشم پر لکھا کرتے تھے،[6] فوری ضرورت کے لئے لوگ لکڑی اور درخت کی چھال کو تحریر کے لئے استعمال کرتے اور تحریر کو تادیر رکھنے کے لئے توز کے پتوں پر لکھتے تھے۔[7]

مذکورہ بالا اشیاء میں کچھ اپنی ناپائیداری، ناہمواری، کمیابی، سختی، گرانی، نقل و حمل کی دقت، ذخیرے کے لئے زیادہ جگہ کی احتیاج و غیر معمولی محنت کے بعد کارآمد بنانے کی وجہ سے زیادہ استعمال میں نہیں آسکی تھیں اس لئے ان متمدن اقوام میں نوشت و خواند کا سلسلہ ہمیشہ نہایت مختصر و محدود طبقہ میں دائر و سائر تھا، اور کتب خانوں کی تعداد دہائیوں سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، اہل مصر لکھنے کے لئے پیپائرس (Papyrus) جو گھاس سے تیار کیا جاتا تھا، استعمال کرتے تھے،[8] عربی میں قرطاس، اوراق بردی سے بھی معروف ہے۔

قرطاس (مفرد) بکسر قاف بمعنی پیپائرس، بردی اور قراطیس (جمع) بفتح قاف قرآن میں آیا ہے (الانعام

---

[1] دی انسائیکلو پیڈیا امریکنا، ۱۹۸۰، ایڈیشن جلد ۲، ص ۲۵۸ [2] کتاب البیرونی فی تحقیق ما للهند من مقولة فی العقل او مرذولة، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۳۷۷ھ، ص ۱۳۳، [3] الفہرست لابن الندیم ص ۳۱، صبح الاعشیٰ للقلقشندی، ج ۲ ص ۴۸۸، [4] کتاب البیرونی فی تحقیق ما للهند، ص ۱۳۳، [5] الفہرست لابن الندیم ص ۳۱، کتاب البیرونی فی تحقیق ما للهند ص ۱۳۳، صبح الاعشیٰ للقلقشندی ج ۲ ص ۲۸۵-۲۸۶، [6] کاغذ سازی از مولانا ظفر ندوی، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، اعظم گڑھ، دار المصنفین ۱۳۸۳ھ ص ۲۲۱-۲۲۲، کتاب الفہرست لابن الندیم، ص ۳۱ و ۳۲، [7] کتاب البیرونی فی تحقیق ما للهند، ص ۱۳۳، [8] الفہرست لابن الندیم ص ۳۱۔

۷-۹۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب قرطاس سے آشنا تھے، یہ کارٹس (Chaorts) کا معرب ہے[1]، پہلی اور دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کاغذ کی نشر و اشاعت سے قبل مسلمانوں میں قرطاس کا استعمال رہا اور کاغذ کے رواج پذیر ہونے کے بعد بھی قرطاس و قراطیس مصر کی نسبت کی صورت میں بلاشبہ اوراق بردی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، لیکن مصر کی نسبت کے بغیر بلا قرینہ ہمیشہ کاغذ کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ بغداد کا محلہ درب القراطیس کاغذ سازی کی وجہ سے مشہور تھا[2]، اسلامی قلمرو میں کاغذ و محلہ کاغذ سازاں دونوں کی اسی معنی و نسبت سے شہرت ہے، اور یہی وہ مقامات تھے جہاں کاغذ ساز رہتے اور کاغذ بنتا تھا، اسی لئے زمخشری نے مقدمۃ الادب[3] میں اور میدانی نے السامی[4] میں قرطاس کا ترجمہ لفظ کاغذ سے کیا ہے، کاغذ یا کاغذ جس کی جمع کواغذ[5] اور کواغیذ[6] آتی ہے، امام لغت صغانی لاہوری نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ عربی میں فارسی زبان سے آیا ہے[7] لیکن دراصل یہ چینی زبان کا لفظ ہے، بقول لوفر (Laufar) یہ (Ku-Ghdh) اور قدیم چینی زبان میں (Kokei-Kokoz) سے کاغذ بنا ہے، اور فراء کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے یہ لفظ ترکی ہو[8]، یہ چونکہ چینی ترکستان کا علاقہ تھا اس لئے اسے ترکی الاصل کہنا بھی درست ہے، قراطیس اور کاغذ کی طرف نسبت کی وجہ عہد عباسی میں کاغذ سازی کی صنعت میں مہارت و کاغذ فروشی میں شہرت کی بنا پر اہل علم کو قراطیسی[9] کاغذی[10] اور وراق[11] کی نسبتوں سے شہرت حاصل ہے، دمشق میں آج بھی ایک خانوادہ قراطیسی کی نسبت سے مشہور

---

[1] Dozy, Supplement anx Dictionnaires aroles leide
Gl-denent E.J.Brill Vol.2.P331

[2] تاریخ بغداد للخطیب ج ۲ ص ۱۹، [3] مقدمۃ الادب للزمخشری گردآوردہ محمد کاظم امام، تہران، چاپخانہ دانشگاہ ۱۳۴۲ھ ص ۲۶۰، [4] السامی فی الاسامی للمیدانی تحقیق محمد موسیٰ ہنداوی، بیروت، محمد موسیٰ ہنداوی، ۱۹۶۷ء ص ۲۹، [5] تحقیق الثعالبی کتاب البیرونی فی تحقیق ما للہند، ص ۱۳۳، [6] لطائف المعارف للثعالبی ص ۲۱۶، ۲۱۸ (ل) ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم الابیاری، القاہرۃ، مطبعۃ المدنی، ۱۳۸۴ھ ص ۵۳۱، [7] تاج العروس للمرتضی الزبیدی ج ۲ ص ۴۸۶، [8] لغت نامہ دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۷، شمارہ حرف کاف ص ۲۱، [9] الانساب للسمعانی ورق ۴۴۵، [10] ایضاً، [11] ایضاً ورق ۵۰۹ ب،

ہے، اس خاندان کے افراد کاغذ کی تجارت کرتے ہیں[12]، عہد عباسی میں کتب فروش پر قراطیسی کی طرح کراریسی کا لفظ بھی بولا جاتا تھا، لیکن جلد ہی لفظ "وراق" نے ان کی جگہ لے لی تھی، اس سے بعض اہل لغت کی رائے یہ ہے کہ وراقت کا دائرہ تجارت کتب تک محدود نہیں تھا، بلکہ کتاب و سامان کتابت، ورق، کتابت نقل، کتابوں کی سلائی، جلد سازی ہر چیز پر اس کا اطلاق ہوتا تھا[13]۔

دنیا میں سب سے پہلے ۱۰۵ عیسوی میں ایک چینی سائی لون[14] (زائی لون) (Tsai-Lun) نے گھاس سے کاغذ تیار کیا تھا[15]، ابن الندیم نے چینی کاغذ ابن ابی الحریش کے خزانۃ الکتب میں دیکھا تھا[16]، مسلمانوں نے اس صنعت کو ان سے سیکھا اور کتان (السی) اور قطن (روئی) سے کاغذ تیار کیا[17]۔

کاغذ سازی کا آغاز دور اموی میں ہو چکا تھا[18]، اس امر کا اعتراف اس عصر کے نامور محقق کرد علی کو بھی ہے[19]، علامہ شہاب الدین ہارون بن بہاء الدین مرجانی المتوفی ۱۳۰۶ھ نے وفیات الاسلاف میں تصریح کی ہے کہ یوسف بن عمر مکی نے قتیبہ بن مسلم کی فتح سمرقند ۹۴ھ[20] کے بعد ۹۴ھ کے عہد میں حجاز میں روئی سے کاغذ بنایا تھا[21]، اسی کاغذ کو ابن الندیم نے "ورق تہامی" کے نام سے ذکر کیا ہے، جو اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ ابن ابی الحریش کے خزانۃ الکتب میں دیکھا تھا[22]، ہمارے علم میں نہیں کہ ابن الندیم کے علاوہ کسی مورخ نے تہامی کاغذ کا تذکرہ کیا ہو، اگر ابن الندیم نے ورق تہامی کو نہ دیکھا ہوتا تو علمی دنیا کو اس کا نام بھی معلوم نہ ہوتا۔

---

[12] الکتاب فی الاسلام، الفکر الاسلامی، شمارہ ۱۲، ۱۹۷۱ء ۱۲، [13] صبح الاعشیٰ ج ۲ ص ۴۸۲-۴۸۳، [14] عرب و چین، چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء ص ۳۶۲، [15] خطط الشام محمد کرد علی ج ۴ ص ۲۴۳،
The Encyclopeadia Americana,1968 ed,vol.21,P.256
Encyclopeadia of Library and Informations Science
New York Mareel Dikker,Ine.,1977 Vol.2,P.45.46,385

[16] الفہرست لابن الندیم ص ۴۰، [17] ایضاً ص ۴۱، الورق والوراقۃ فی الحضارۃ الاسلامیۃ محمد طہ الحاجری مجلۃ المجمع العلمی العراقی شمارہ ۱۲ (۱۳۸۳ھ) ص ۱۳۵، [18] ایضاً، [19] خطط الشام ج ۴ ص ۲۴۳، [20] فتوح البلدان للبلاذری تحقیق عبد اللہ انیس الطباع، عمر انیس الطباع، بیروت، دار النشر للجامعیین ۱۳۷۷ھ ص ۴۹۲، [21] معجم البلدان یاقوت ج ۳ ص ۲۲۳

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن عمرو مکی کے کاغذ سازی کا دائرہ حدود تہامہ سے آگے نہیں بڑھا، اس لئے اس کی جیسی شہرت چاہئے تھی نہ ہو سکی، اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کاغذ سب سے پہلے حجاز کی سرزمین میں تیار کیا گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں، بلاد مغرب میں موسیٰ بن نصیر المتوفی ۹۷ھ/۷۱۵ء نے قنب (سن) اور کتان سے کاغذ بنانے کا طریقہ ایجاد کیا تھا،[۱۵] اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ بر اعظم ایشیا اور یورپ میں مسلمانوں نے کاغذ سازی کا سلسلہ شروع کیا تھا، ۱۳۴ھ/۷۵۱ء میں جنگ اطلخ میں امیر زیاد بن صالح حارثی المقتول ۱۳۵ھ/۷۵۲ء کچھ چینی کاغذ سازوں کو اسیر بنا کر سمرقند لے آئے، چینی کاغذ گھاس سے بناتے تھے، مسلمانوں نے کاغذ قطن (Cotton) سے بنایا،[۱۶] جو قطنی کاغذ کہا جاتا تھا، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ پرانی رسیوں کے فرسودہ ٹکڑوں سے بنایا جاتا تھا،[۱۷] آدم متز کی تحقیق یہ ہے کہ برگ توت اور خاب ہندی سے بنایا جاتا تھا،[۱۸]

اہل سمرقند نے چینی کاغذ ساز اسیروں سے کاغذ بنانا سیکھا، پھر بلاد مشرق میں اس صنعت کو بہت فروغ حاصل ہوا، اس لئے اس کا انتساب چینی کاغذ سازوں کی اسیری کے واقعہ سے ہو کر رہ گیا،[۱۹] اور کاغذ سازی کی صنعت کو عہد عباسی کی اولیات سے شمار کیا جانے لگا، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس واقعہ کے بعد کاغذ سازی کی صنعت کو بتدریج پورے اسلامی قلمرو میں کاشغر سے غرناطہ تک ترقی کرنے کی سہولتیں حاصل ہوتی رہیں، اس صنعت میں مسابقت کا جذبہ ابھرا، مشرق و مغرب کے کم و بیش ہر بڑے شہر میں کاغذ سازوں کے کوچے محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے، ۱۹۲ھ/۷۹۴ء میں بغداد میں بازار الکتب کے قیام سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵) [۱۳] التراتیب الاداریہ والعمالات والصناعات والمتاجر والحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عہد تاسیس المدینۃ الاسلامیۃ فی المدینۃ المنورۃ العلمیۃ لعبد الحی الکتانی، بیروت، احیاء التراث العربی، ب ت، ج ۲ ص ۲۶۱، [۱۴] الفہرست لابن الندیم ص ۲۱، [۱۵] التراتیب الاداریہ، ج ۲ ص ۲۴۲، [۱۶] بلاد فلسطین و شام ازلی اسٹرنج ترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی، حیدرآباد دکن، مطبع سرکار عالی، ۱۳۵۴ھ، ص ۲۱، خطط الشام، ج ۴ ص ۲۴۳، [۱۷] بلاد فلسطین و شام ص ۲۱، [۱۸] الحضارۃ الاسلامیۃ لآدم متز، ج ۲ ص ۲۶۹، عنایت اللہ، کاغذ کا رواج، تاریخ کی روشنی میں، مجلہ جامعہ عباسیہ بہاولپور، شمارہ ۱ (۱۹۶۳ء)، ص ۹۵، [۱۹] ثمار القلوب ص ۵۴۳ (ل) لطائف المعارف ص ۲۱۸، کتاب البیرونی ص ۱۳۲، آثار البلاد و اخبار العباد زکریا بن محمد القزوینی، بیروت، دار صادر، ۱۳۸۰ھ، ص ۵۳۶، الحضارۃ الاسلامیۃ لآدم متز ج ۲ ص ۲۶۹، لغت نامہ دہخدا شمارہ مسلسل ۱۰۰

شہروں میں اس صنعت کا نہایت تیزی سے رواج ہو چکا تھا۔[۱]

کاغذ کی تین نسبتوں سے شہرت

عہد عباسی میں کاغذ کو اسلامی قلمرو میں تین نسبتوں سے شہرت حاصل تھی۔

(۱) بلاد کی نسبت سے، جیسے ورق سمرقندی (۲) کاغذ کے کارخانہ سازوں کی نسبت سے، جیسے ورق سلیمانی

(۳) کاغذ سازوں کی نسبت سے، جیسے ورق منصوری۔

عہد عباسی میں جو ممالک و بلاد کاغذ کی صنعت کا مرکز رہے ہیں وہ حسب ذیل تھے:

(۱) ماوراء النہر: چنانچہ ابراہیم اصطخری کا بیان ہے کہ بلدان اسلام میں نوشادر اور کاغذ میں ماوراء النہر کے کاغذ کا جواب نہیں،[۲] اس سے[۳] ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں کاغذ کی صنعت پورے اسلامی قلمرو میں پھیل گئی تھی (۲) خراسان،[۴] خراسانی کاغذ کی شہرت اندلس تک پہنچی ہوئی تھی،[۵] نیشاپور میں سکۃ الوراقین تھا،[۶] (۳) بلخ، بلخی کاغذ اندلس تک مشہور تھا[۷] (۴) عراق بغداد میں دوسری صدی ہجری کے ربع آخر میں فضل بن یحییٰ برمکی نے یہاں کاغذ سازی کا کارخانہ قائم کیا تھا،[۸] محلہ کرخ[۹] بغداد اور محلہ دار القز بغداد میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا،[۱۰] سامرا میں خلیفہ معتصم نے مصری کاغذ سازوں کو آباد کیا تھا، انھوں نے کاغذ بنایا لیکن وہ پائیدار

(حاشیہ صفحہ ۱۹۶) شمارہ حرف ک، ص ۲۱۱، [۲] تحفۃ الالباب و نخبۃ الاعجاب ابو حامد الغرناطی، ایبری نشنل پریس ۱۹۲۵ء، ص ۲۰۲، [۳] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۱۲، ص ۱۳۷، [۴] ایضاً، [۵] رسائل الجاحظ التبصر بالتجارۃ تحقیق عبد السلام محمد ہارون، القاہرہ الخانجی ۱۳۸۴ھ، ص ۲۵۳ و ۲۵۴، [۶] المسالک والممالک از ابو اسحاق ابراہیم الاصطخری تحقیق محمد جابر عبد العال الحسینی، القاہرہ، وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی، ۱۳۸۱ھ، ص ۲۸۶، [۷] مسلمانوں کی صنعت و حرفت و زراعت و تجارت، مترجمہ محمد جمیل الرحمٰن، الہ آباد پاکستان، ۱۹۳۴ء، ص ۱۷، یہ قرآن کریم کی کتاب کا ترجمہ ہے، [۸] تحفۃ الالباب الغرناطی ص ۲۰۳، [۹] تاریخ نیشاپور للحاکم النیشاپوری تلخیص احمد بن محمد المعروف بالخلیفۃ النیشاپوری، تہران، کتابخانہ ابن سینا، ۱۳۳۷ف، [۱۰] تحفۃ الالباب ص ۲۰۲، [۱۱] المقدمۃ لابن خلدون ص ۵۵۰، لغت نامہ دہخدا شمارہ مسلسل ۱۰۳، شمارہ ک ۳، ص ۲۱۴، صبح الاعشیٰ ج ۲، ص ۴۷۵-۴۷۶۔

نہ تھا[59]۔ تیسری صدی ہجری میں بغداد میں کاغذ بہت اچھا بنتا اور نہایت سستا بکتا تھا، چنانچہ محمد بن غالب بصری ثم بغدادی المعروف بغنام المتوفی ۳۰۳ھ کے پاس چند طلبہ حدیثیں لکھنے کے لئے آئے، موصوف نے بستے نکالکر سامنے رکھے، وہ پرانے کاغذ پر لکھنے لگے، غنام بولے، یا بنی الکاغذ رخیص ببغداد، فلو کتبتموہ فی کاغذ اجود من ھذا[60] بیٹے، بغداد میں کاغذ سستا ہے، کاش تم اس سے بہتر کاغذ پر لکھتے۔ پانچویں صدی ہجری میں کاغذ کی صنعت بغداد میں بہت عروج پر تھی[61]، واسط میں بھی درب القراطیس تھا[62] (۵) شام۔ یہاں اچھا کاغذ بنتا اور مصر بھیجا جاتا تھا[63]، شام کے حسب ذیل شہروں میں کاغذ بنایا جاتا تھا[64]، دمشق[65]، طبریہ[66]، فلسطین[67]، اوائل عہد عباسی میں لکھنے کے لئے چمڑا بھی استعمال میں آتا تھا، لیکن چمڑے کی بہ نسبت کاغذ پر تحریری مواد زیادہ آتا ہے، یہ سستا اور ہر وقت بآسانی میسر، سبک، نقل و حمل میں آسان، ان وجوہ سے مسلم معاشرے میں اسے قبول عام حاصل ہوا اور چمڑے کا چلن جاتا رہا، کاغذ کی موجودگی میں اگر کوئی چمڑا استعمال کرتا، معاشرہ میں حیرت و استعجاب سے دیکھا جاتا، اس سے سوالات کئے جاتے، چنانچہ جاحظ سے بھی سوال کیا گیا، اس نے مناقیہ انداز میں چمڑے کی خوبیوں اور خرابیوں کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:-

---

[59] اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ للصولی، القاہرہ طبع ح بیورت، د، ن، ۱۹۳۵ء، ص ۲۶۰، [60] معجم البلدان (بقیہ ۱۹۶) لیاقوت، ج ۲ ص ۲۲۴، مراصد الاطلاع علی الامکنۃ والبقاع لعبد المومن ابن عبد الحق البغدادی تحقیق علی محمد البجاوی، القاہرہ: عیسی البابی والحلبی ۱۳۷۳ھ، ج ۱ ص ۵۰۶، [61] مسلمانوں کی صنعت، ص ۶۷، [62] تاریخ بغداد للخطیب ج ۳ ص ۴۶، [63] العامۃ ببغداد فی القرن الخامس الہجری، بحث تاریخی فی الحیاۃ الاجتماعیۃ لبغداد، تالیف محمد [illegible] الکبیسی، بغداد، مطبعۃ الارشاد، ۱۳۸۰ھ، ص ۵۰، [64] مصطفی جواد المواد الصناعیۃ من معجم الادباء ص ۶۲، [65] خطط الشام لمحمد کرد علی، ج ۴ ص ۲۴۳، صبح الاعشی، ج ۲ ص ۲۸۷، نزہۃ الانام فی محاسن الشام لعبد اللہ بن محمد البدری الدمشقی، مصر، المطبعۃ السلفیہ، ۱۳۴۱ھ ص ۳۶۴، [66] بلاد فلسطین وشام ص ۲۰، الحضارۃ الاسلامیۃ لآدم متز ج ۲ ص ۲۶۹، [67] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم للمقدسی لندن، مطبعۃ بریل، ۱۹۰۶ء ص ۱۸۱، الحضارۃ الاسلامیۃ لآدم متز ج ۲ ص ۲۶۹، علی سامی "اختراع کاغذ" ہنر و مردم شمارہ ۱۱۵ (۱۳۵۱ ف) ص ۲۵-۲۶، [68] خطط الشام، ج ۴ ص ۲۴۲،

تم کہتے ہو کہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم نے اپنی تمام کتابیں چینی و خراسانی کاغذ پر تیار نہیں کرائیں، تم پوچھتے ہو کہ تم نے چمڑے پر کیوں لکھوایا، تم کیوں اس کی ترغیب دیتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کا حجم خشک ہو کر (کمتر ہو جاتا ہے) وزن ثقیل ہے، اگر پانی پہنچ جائے تو خراب ہو جائے، اور نمی کے دن ہوں تو ڈھیلا ہو جائے، ڈھیلا بھی نہ ہو تو چمڑے والے نزولِ باراں کو پسند نہیں کرتے، وہ بارش سے خوش نہیں ہوتے، تمہیں معلوم ہے، وراق ان ایام میں ایک سطر بھی نہیں لکھتا، یہ چمڑا کاٹتا ہے جب وہ تر ہو، پھر بارش بھی ہو جائے بھیگ بھی جائے، ڈھیلا ہو کر دراز ہو جائے، پھر جب خشک ہو جائے پھر کھینچ تان کے بعد اپنی پہلی حالت پر لوٹ سکتا ہے، زیادہ بدبودار، زیادہ گراں قیمت ہو جاتا ہے، وہ دھوکے کا زیادہ متحمل ہوتا ہے، اسے کوئی کوفی کو واسطی اور واسطی کو بصری بنا لیتا سکتا ہے، اسے پرانا کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کی بو دور ہو جائے، اس کے بال صاف ہو جائیں، اس میں گرہ زیادہ ہوتی ہیں، یہ زیادہ تر غبار آلود ہوتے ہیں اور بیشتر ناکارہ، سیاہی اس پر جلد پہنچتی ہے، اس میں تحریر کا زیادہ جلدی مٹ جانا زیادہ عام ہے، صاحب کتب خانہ یہ چاہے کہ بقدر حاجت کتابیں سفر میں ساتھ رکھے تو اس کے لئے بار شتر بھی کافی نہیں، قطنی کاغذ کی کتابیں بار شتر بھی سفر میں ساتھ لے جانا چاہے تو یہ بھی اسے کفایت کرتا ہے۔

تم نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تغیر و تبدل کو زیادہ برداشت کرتی ہیں، زمانۂ دراز تک عاریۃ لیتے دیتے اور ہاتھوں میں گھومتے پھرتے رہنے سے ان میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کی پھر بھی قیمت اٹھتی ہے اور پھٹا ہوا بھی کام آتا ہے، اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اسے پھر زندہ کیا جاتا ہے، وہ پھٹنے کی نیابت کرتا ہے، قطنی کاغذ کی بازار میں قیمت نہیں ہے (بہت سستا ہے) تم اگر بازار والوں کو ورق یا چمڑا پیش کرو اور اس پر بال لگے ہوں اور بیکار باتیں بھی لکھی ہوں تو بھی زیادہ قیمت اٹھے گی اور لوگ خریداری میں جلدی کریں گے،

میں کہتا ہوں حساب کتاب چمڑوں پر لکھا جاتا ہے، دفتروں میں چمڑوں پر لکھی ہوئی تحریروں پر اعتماد کیا جاتا ہے، عہد و پیمان، شرائط، بیع و شرا کے معاملات، زمینوں کی خرید و فروخت سے متعلق امور چمڑوں پر لکھے جاتے

ہیں، نقشے انہی پر بنائے جاتے ہیں، پھر دیمک کاغذ کو جلد کھا جاتی ہے[۱]،
حماۃ[۲]، حلب[۳]، منبج[۴]، طرابلس الشام، یہاں کا کاغذ سمرقندی کاغذ کی طرح تھا (۶) مصر، یہاں کے کاغذ سازوں کی بھی شہرت تھی، اسی لئے معتصم نے یہاں سے کاغذ سازوں کو سامرا میں آباد کیا تھا[۵]، فسطاط، یہاں خط (بستی) بنی (یہ) میں باب القنطرہ کے قریب مقریزی المتوفی ۸۴۵ھ کے زمانے تک کاغذ بنایا جاتا تھا[۶]، قاہرہ، حارہ بہاء الدین اور سویقہ امیر الجیوش کے درمیان خط خان وراقہ میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا[۷]، (۷) ایران۔ خونا میں جس کا تذکرہ کتابوں میں خونج کے نام سے کیا جاتا ہے، کاغذ کا کارخانہ تھا[۸]، (۸) ہندوستان میں بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا، اس کاغذ کی صدائے بازگشت اندلس تک سنائی دیتی ہے، اور ابوحامد غرناطی نے ہندوستان کے ساختہ کاغذ کو بلخ و خراسان کے ہم پایہ کاغذ قرار دیا ہے[۹]، ممکن ہے یہ کاغذ کشمیر، سیالکوٹ اور لاہور میں کسی جگہ بنتا ہو (۹) مغرب، اندلس، مشرق (ایشیا) سے کاغذ کی صنعت مسلمانوں کے ذریعہ مغرب میں پہنچی، چنانچہ قرطبہ میں بے نظیر، شاطبہ[۱۰] میں نہایت عمدہ اور صقلیہ (سسلی) میں بھی کاغذ بنایا جاتا تھا[۱۱]، سولہویں صدی عیسوی میں یہاں سے کاغذ سازی کی صنعت یورپ کے مغربی ممالک میں پہنچی تھی[۱۲]،

ابن الندیم نے چوتھی صدی ہجری تک اسلامی دنیا میں حسب ذیل چھ قسم کے کاغذوں کی نشاندہی کی ہے:

(۱) سلیمانی (۲) طلحی (۳) نوحی (۴) فرعونی (۵) جعفری (۶) طاہری[۱۳]

---

[۱] رسالۃ الجد و الہزل للجاحظ تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرہ: مکتبۃ الخانجی، ۱۳۸۴ھ، ص ۲۵۳-۲۵۴ [۲] خطط الشام از کرد علی ج ۴، ص ۲۴۴، [۳] ایضاً ص ۲۴۲، [۴] سفرنامہ ناصر خسرو تحقیق محمد دبیر سیاقی، تہران کتاب فروشی زوار، ۱۳۵۳ ف، ص ۱۵، مز ج ۲ ص ۲۶۹، [۵] البلدان لاحمد بن واضح الیعقوبی ط ۳۰، النجف، المطبعۃ الحیدریہ، ۱۳۷۷ھ، ص ۲۹، [۶] الخطط المقریزیہ، ج ۱ ص ۴۰۷، [۷] ایضاً ج ۲ ص ۲۳۲، [۸] معجم البلدان یاقوت ج ۲ ص ۴۷۷، مراصد الاطلاع لابن عبدالحق، ج ۱ ص ۲۰۴، [۹] تحفۃ الالباب للغرناطی، ص ۲۰۲ [۱۰] لغت نامہ دہخدا، شمارہ حرف ک، ۳، ص ۲۱۵، [۱۱] معجم البلدان، ج ۲ ص ۹۰۰۴، الحضارۃ الاسلامیہ لآدم متز ج ۲ ص ۲۷۹، [۱۲] مسلمانوں کی صنعت و حرفت، ص ۴۳، [۱۳] الحضارۃ الاسلامیہ، ج ۱ ص ۲۲۷، لغت نامہ دہخدا شمارہ حرف ک ۳، ص ۲۱۵، [۱۴] الفہرست لابن الندیم، ص ۳۲،

بہترین کاغذ کی پہچان علامہ ثعالبی (۳۵۰ - ۴۲۹ھ) نے عہد عباسی میں اسلامی قلمرو میں کاغذوں میں سمرقندی کاغذ کو سب سے زیادہ بہتر، سب سے زیادہ نرم، سب سے زیادہ لطیف اور سب سے زیادہ باریک و صاف قرار دیا ہے[۱]، موصوف نے جن خوبیوں کی بنا پر اس کو سب سے بہتر و اعلیٰ معیار کا کاغذ قرار دیا ہے، اسی معیار پر نویں صدی ہجری میں ابوالعباس احمد القلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ = ۱۴۱۸ء نے بغداد کے کاغذ کو سب سے بہتر اور فرنگی کاغذ کو سب سے بدتر قرار دیا[۲]، بغداد کے بہترین کاغذ کی تصدیق گیارھویں صدی ہجری میں رضی الدین محمد بن حسن قزوینی المتوفی ۱۰۹۶ء کے بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ کہتا ہے:

"ہم نے تمام شہروں کے کاغذ کا تجربہ کیا ہے مگر سب سے زیادہ عمدہ دیرپا، مضبوط کاغذ بغداد، دمشق، آمل اور سمرقند کا پایا جو لکھنے کے لائق ہیں، دوسرے شہروں کے کاغذ ناپائیدار ہیں، وہ ایک زمانے کے بعد ترخ جاتے ہیں[۳]،

روئی سے کاغذ کی ایجاد اور اس کی فروغ تجارت نے معاشی اعتبار سے مسلمانوں کو خوشحال بنایا، ان کے علمی ورثے سے دوسروں کو بہرہ مند کیا، ذہنی تنویر بخشی، چنانچہ پاپائیت جس نے علم کو ایک مخصوص طبقے تک محدود کر دیا تھا، اور عیسائی حکمرانوں کی رعایا اوہام پرستی و تعصب میں مبتلا تھی، مسلمانوں کی کاغذ کی تجارت نے توہم پرستی اور تعصب سے کسی حد تک دور رکھا، چنانچہ کاغذ جوں جوں پھیلتا گیا کتابیں وجود میں آتی گئیں، علم کی روشنی سے لوگوں کے دماغ روشن ہوتے رہے اور کاغذ کی ارزانی اور فراوانی کی وجہ سے ہر طبقہ کے لوگوں کو کاغذ اور کتاب کی خریداری میں کوئی تامل نہیں رہا، ہر شخص آسانی سے کاغذ و کتاب خرید تا، پڑھتا اور علمی دولت سے مالا مال ہوتا تھا، معاشرہ میں روز افزوں شرح خواندگی میں اضافہ کی وجہ سے دنیا سے جہل، تنگ نظری اور اوہام پرستی کا خاتمہ ہونے لگا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ عیسائی

---

[۱] لطائف المعارف للثعالبی ص ۲۱۸، [۲] صبح الاعشیٰ للقلقشندی، ج ۲ ص ۴۷۵، [۳] رسالہ خط از رضی الدین محمد قزوینی پرویز از کابی ہنر و مردم، شمارہ ۸۵ (آبان ماہ، ۱۳۴۸ ف) ص ۵۱،

دنیا سے تعصب و اوہام اور جہل کے پردوں کو چاک کرنے میں مسلمانوں کی کاغذ سازی کی صنعت کا بڑا دخل ہے، چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف وان کریمر کو بھی ہے، وہ کہتا ہے کہ یوں علم و فن کی عام اشاعت اور اسکی ترویج کا سہرا عربوں ہی کے سر ہے، علوم کی اشاعت برابر بڑھتی گئی اور عربوں کا لگایا ہوا پودا اس قدر بارآور ہوا کہ اس کی بدولت مذہبی تعصب و اوہام پرستی اور بے جا تحکم کا بالکل خاتمہ ہوگیا، مختصر یہ ہے کہ اس وقت سے تمدن کا ایک نیا دور شروع ہوا۔"[1]

بریفالٹ نے کاغذ کی ایجاد و ترویج کی دادِ تحقیق حسب ذیل الفاظ میں دی ہے:

"یہ قابل غور اور حیرت انگیز حقیقت ہے کہ یونان اور روما جنھوں نے دنیا کی ہیئت کاملاً بدل کر رکھ دی اور تہذیب کی ایک نئی کائنات ایجاد کر دی، ایک بھی اہم علمی ایجاد یا صنعتی اکتشاف نہ کر سکے . . . بابل و مصر کے اولین ایام سے لے کر کسی اہم اور نئے مادی اکتشاف کا سُراغ نہیں ملتا تا آنکہ عربوں نے یورپ میں کاغذ سازی بارود سازی اور ناخداؤں کے قطب نما کو رواج دیا، جس دانش و بصیرت نے فکر و ذہن کی ایک ایسی نئی دنیا پیدا کر دی جو مشرق کے مقابلے میں ایسی ہی تھی جیسے آدھی رات کے مقابلے میں دوپہر"[2]

بریفالٹ ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے "عربوں نے یورپ میں اپنی تین ایسی ایجادیں رائج کیں جن میں سے ہر ایک نے دنیا میں عجیب انقلاب پیدا کر دیا، اول ناخداؤں کی قطب نما جس کی برکت سے یورپ دنیا کے کناروں تک پھیل گیا، دوم بارود جس نے زرہ بکتر پہننے والے نائٹوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا، سوم کاغذ جس سے اشاعت و طباعت کا رستہ صاف ہوا، کاغذ کے رواج نے جو انقلاب پیدا کیا وہ اہمیت میں طباعت کی ترویج سے کم نہ تھا۔"[3]

---

[1] مسلمانوں کی صنعت از وان کریمر ص ۲۳، [2] تشکیل انسانیت، بریفالٹ، ترجمہ عبدالمجید سالک، بار دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۶ء، ص ۲۳۰-۲۳۱،

[3] تشکیل انسانیت ص ۳۴۴، عربوں کا تمدن، جوزف،

اسلام نے تجارت و دستکاری پر زور دے کر ان کو بھی عبادت بنا دیا تھا، اس لئے مسلمان ہر نئی صنعت سیکھتے، اسے اپناتے، اس میں جدت پیدا کرتے اور خوب ترقی دیتے تھے، جوزف ہیل کہتا ہے:

"اسلام نے دستکاری کے فوائد اور خوبیوں پر زور دے کر دستکاری اور تجارت کو ایک مذہبی شکل دے دی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی نئی چیز ملتی تھی، وہ فوراً اسے اپناتے اور اس میں مزید وسعت و نشو و نما پیدا کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے جب سنا کہ اسلامی قلمرو کے کسی دور دراز حصے غالباً چین میں کاغذ تیار کیا جاتا ہے تو انھوں نے فوراً اس کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ عباسیوں کے ابتدائی زمانے میں سمرقند کے اندر کاغذ سازی کا ایک کارخانہ جس میں غالباً چینی کام کرتے تھے قائم ہوگیا، انھیں ابھی کاغذ بناتے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انھوں نے اس کے لئے چیتھڑوں اور کپڑوں کا تجربہ شروع کیا، ۷۹۴-۷۹۵ء میں بغداد میں کاغذ سازی کا سب سے پہلا کارخانہ قائم ہوا اور حکومت کے دفاتر میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا، رفتہ رفتہ تمام سلطنت میں کاغذ سازی کے کارخانے جاری ہوگئے، جہاں نت نئے قسم کا کاغذ تیار ہوتا تھا، ریشم کا کاغذ، روئی کا کاغذ موٹے اور باریک، صاف کھردرا، سفید اور رنگدار کاغذ بننا شروع ہوا، بانس کے کاغذ اور چمڑے کا زمانہ ختم ہوا، اور اب لکھنے کے لئے اس سے کہیں سستا سامان میسر آیا تھا، یہ علوم و فنون اور ادب کے فروغ کے لئے ایک اچھا شگون تھا۔"[1]

مشرق و مغرب (ایشیا اور یورپ) میں علوم و فنون کے فروغ، کتابوں کی اشاعت اور کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کے احیا کی خاطر اسلامی قلمرو میں کہیں بھی کاغذ کی صنعت و تجارت پر کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں لگائی گئی، اس سے کاغذ کی صنعت و تجارت کو ہر چھوٹے بڑے شہر میں فروغ حاصل ہوا اور علمی دنیا کو اس سے ترقی کرنے کا موقعہ ملا، چنانچہ وان کریمر کہتا ہے "عہد عباسی میں کاغذ کی تجارت سے چونکہ کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں تھی اس لئے بھی کاغذ کی تجارت کو بہت فروغ حاصل تھا۔"[2]

---

[1] عربوں کا تمدن، جوزف ہیل ترجمہ نذیر نیازی، دہلی مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۶۷ء، ص ۱۰۴-۱۰۲، [2] مسلمانوں کی صنعت و حرفت، ص ۶۳ و ۶۵۔

وان کریمر دوسرے مقام پر لکھتا ہے "کاغذ سازی سے صنعت علوم و فنون کی اشاعت کو غیر معمولی ترقی ہوئی، اور اسی صنعت کی وجہ سے مسلمانوں نے یورپ کے بازاروں میں اپنا سکہ بٹھایا،[1] عربوں نے کاغذ سازی کی صنعت کو جلد ہی ترقی دی، کافی سستا اور اچھا کاغذ بنا کر ایشیا کے بازاروں سے گزر کر یورپ کے بازاروں کو بھی یہ کاغذ مہیا کرنے لگے، اس لئے علم و فن کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔"[2]

مسلمانوں نے علم جیسی بیش بہا چیز کو بلا امتیاز عام کیا، بلا اجرت و معاوضہ معاشرہ میں پھیلا کر عوام میں علمی بیداری پیدا کی اور ان کا کتابوں سے رشتہ استوار سے استوار تر کر دیا، مسلمان حکمرانوں نے کاغذ سازی کی صنعت پر کہیں اور کبھی کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کیا، اس سے صنعت کاغذ سازی کو اسلامی قلمرو میں ہر جگہ فروغ حاصل ہوتا رہا، کاغذ کی فراوانی رہی، ذخائر علوم کی سرعت سے تدوین ہوتی گئی، آسانی سے اور ہر موضوع پر فراوانی سے بازار میں کتابیں آتی رہیں، عام طور پر ارزاں قیمت و مناسب داموں میں ملتی رہی تھیں، کتب خانے بنتے رہے، اور ان کی طلب و رسد پوری ہوتی رہی تھی،

کاغذ سازی کا ضابطۂ اخلاق | عہد عباسی میں کاغذ سازی کا بھی ضابطۂ اخلاق تھا، جس کی کاغذ ساز پابندی کرتے تھے، چنانچہ ابن امیر الحاج کا بیان ہے:

کاغذ ساز کو جو کام سپرد کیا جائے اسے دیانتدارانہ طور پر انجام دینا چاہئے مثلاً کاغذ کا دستہ تین درہم میں فروخت ہوتا ہو تو وہ خریدار کو چار درہم میں نہ بیچے، ہر نوع کے کاغذ کی جداگانہ قیمت ہوتی ہے، ہر نوع کے کاغذ کے دام میں فرق ہوتا ہے، چنانچہ سفید، کم سفید، صیقل کیا ہوا اور کم صیقل کیا ہوا، منجھا ہوا اور کم منجھا ہوا، ایک دام کا نہیں ہوتا، پھر کاغذ کی ساخت کے اعتبار سے بھی قیمت میں تفاوت ہوتا رہتا ہے، گرم و سرد موسم کے اعتبار سے بھی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اس لئے کاغذ فروش پر لازم ہے کہ ہر کاغذ کی صنعت خریدار کو بتائے، تاکہ اس کو کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے، ایسا نہ کرنا خریدار کو دھوکا دینا ہے، جس کے متعلق حدیث

[1] مسلمانوں کی صنعت، حرفت، ص ۶۳ و ۶۵، [2] ایضاً،

میں وارد ہے مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

خریدار کو کارخانہ میں جا کر کاغذ دیکھنے کا حق ہے، لیکن کارخانہ میں کاریگر عموماً چھوٹا اور نازک سا کپڑا باندھے رہتے ہیں اس لئے ایسے وقت جانا چاہئے جب وہ کپڑے پہنے ہوئے ہوں یا کارخانہ میں کام ختم ہو چکا ہو،

کاغذ فروش پر لازم ہے کہ خریدار کو جس کام کے لئے کاغذ درکار ہے اسی مقصد کا کاغذ اس کو دینا چاہئے مثلاً نقل کرنے کے لئے نقل کے مطلب کا کاغذ دینا چاہئے اور حقیقت حال بھی بتا دینی چاہئے، کاغذ سازوں پر ایسے کاغذوں کو جن پر شرعی امور تحریر ہوں احترام لازم ہے، انھیں پیروں تلے نہیں روندنا چاہئے، اور جن پر شرعی امور تحریر نہ ہوں انھیں ازسر نو درست کرنے کی اجازت ہے۔[1]

سامانِ کتابت، قلم، دوات اور سیاہی | قلم کے معنی سخت چیز کو کاٹنے کے ہیں، قلم سخت قسم کے نرکل کو تراش کر بنایا جاتا تھا، اس لئے اس کو قلم کہتے اور بعض تراشے ہوئے نرکل کو انبوبہ بولتے ہیں،[2] عہد عباسی میں قلم نرم سبک، تیز چلنے والا اور پائیدار پسند کیا جاتا تھا، سخت، ڈھیلا، دھیرے چلنے والا اور زیادہ گھسنے والا پسند نہیں کیا جاتا تھا،[3] قلمدان کو مقلمہ کہتے تھے،[4] بہترین قلم جس قلم کے پوست کا رنگ صاف و سرخ ہوتا اور وزن دار، لمبا سیدھا اور اندر کا حصہ سفید ہوتا وہ قلموں میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا،[5] عہد عباسی میں قلم کی بڑی حفاظت کی جاتی تھی، اسے پیتل کے خول میں رکھا جاتا تھا،[6] وہاں کے قلم کا استعمال گرانی کے باعث وزرار و امرا تک محدود تھا، پھر گوند والی روشنائی روانی سے نہیں چلتی تھی، اس بنا پر خوشنویسوں نے اسکے

[1] المدخل لمحمد بن محمد العبدری القاسی ابن امیر الحاج مصر مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۶۰ء، ج ۴ ص ۸۶۔۸۸، [2] فرائد اللغۃ فی الفروق، مصر یکوس لامنس، بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیۃ لآباء الیسوعیین سنہ ۱۸۸۹ء، المفردات فی غریب القرآن للراغب ص ۴۱۱، القاموس تغیر وزیر آبادی ج ۴ ص ۲۹۴، ۲۹۵ (قلم) [3] ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی تحقیق میکس ویسو یلر لنڈن مطبعہ بریل سنہ ۱۹۵۲ء ص ۱۵۸ و ۱۶۳، ادب الکتاب للصولی تحقیق محمد بہجۃ الاثری بغداد المکتبۃ السلفیۃ ۱۳۴۱ھ جلد ۲ ص ۹۵، [4] ایضاً، [5] رسالہ خط از رضی الدین قزوینی ص ۵۰، العمدہ لعبد اللہ بن علی الہیتمی تحقیق ہلال ناجی بغداد مطبعۃ المعارف ۱۹۷۰ء ص ۸۔۹، تحفۃ اولی الالباب فی صناعۃ الخط والکتاب تالیف عبد الرحمن بن یوسف الصائغ تحقیق ہلال ناجی تونس دار بوسلامہ للنشر والتوزیع ۱۹۶۷ء ص ۵۴، ۵۷، [6] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۸۱

استعمال سے گریز کیا، تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اس کو بڑی ترقی دی، نامور ادیب و شاعر زعیم الدولۃ ابو العلاء صاعد بن الحسن نزیل دمشق المتوفی ۴۷۶ھ/۱۰۸۲ء نے ایسا قلم بنایا تھا جس میں ایک ماہ کی سیاہی سماتی تھی، اس کا نام القلم المداد رکھا تھا، یہ لوہے کا قلم تھا، اور ایک ماہ تک خشک نہیں ہوتا تھا،[51]

عہد عباسی میں سیاہی کے لئے تین لفظ نقس، مداد، حبر استعمال کئے جاتے تھے،[52] نقس مطلق سیال مادہ جس سے لکھا جائے، مداد سیاہی کے ذریعہ حروف کو پھیلایا اور کھینچا جاتا ہے، اس لئے اس کو مداد کہتے تھے پھر اس کا استعمال دوات کی سیاہی کے لئے مخصوص ہو گیا تھا،[53] یہ کاجل وغیرہ سے تیار کی جاتی تھی،[54] چنانچہ نرم و سیاہ تر رواں سیاہی کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا،[55] حبر کے اصل معنی خالص رنگ کے ہیں اس لئے رنگ دار (سرخ وغیرہ) سیاہی کو حبر کہا جاتا تھا، وزیر حسن بن سہل کا قول ہے کہ جب کوئی فصیح و بلیغ آدمی اپنے الفاظ کو اچھی صورت میں پیش کرتا اور اپنے بیان کو حسن کلام سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تو حکمت سے معمور معانی کا اس کے سامنے ہجوم ہو جاتا ہے جو کپڑے کی آرائش اور ان پر بیل بوٹے سے زیادہ پر رونق ہوتا ہے،[56] عالم بھی کلام کو آراستہ کر کے پیش کرتا ہے اسی لئے اس کو بھی حبر کہتے ہیں، حبر بحر کا مقلوب ہے، بحر اور سمندر منبعِ آب ہیں، عالم بھی علم کا منبع ہوتا ہے، علم پانی کی طرح ہے، پانی مادی حیات کا، علم ابدی و روحانی حیات کا سبب ہے، اس لئے جو علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ رہتا ہے وہ کبھی مرتا نہیں ہے،[57] اسی لئے کہا جاتا تھا

---

[51] تاریخ الکبیر لابن عساکر بترتیب تہذیب عبد القادر آفندی بدران، دمشق طبعہ روضۃ الشام ۱۳۵۱ھ، ج ۶ ص ۳۶،

[52] ادب الکتاب للصولی، ج ۲ ص ۱۰۱، [53] ایضاً، [54] صبح الاعشیٰ، ج ۲ ص ۴۷۰ و ۴۷۵، لغت نامۂ دہخدا شمارہ مسلسل ۴۴ و شمارہ حرف ح، ج ۳ ص ۲۰۳، [55] ایضاً، [56] ادب الکتاب للصولی، ج ۲ ص ۶۵، ادب الاملا للسمعانی ص ۱۶۳،

[57] جامع العلوم الملقب بدستور العلماء تالیف عبد النبی احمد نگری حیدرآباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۹ھ ج ۲ ص ۹،

انما المجالس لاصحاب الخلقان والمحابر[51]

مجالس پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں (صوفیہ) اور دواتوں سے لکھنے والوں (محدثین و علماء) کی ہوتی ہیں،

ان کو حیات جاوید ملتی ہے، حبر اور مداد کے فرق کو ابن الندیم نے بھی ملحوظ رکھا ہے، حبر اور مداد سے لکھنے والوں میں امتیاز کیا ہے،[52] عہد عباسی میں کتابوں میں ایسی پختہ سیاہی استعمال کی جاتی تھی کہ کپڑوں پر اس کے دھبوں کو ترشی سے دور کیا جاتا تھا،[53] ان باتوں کا لحاظ انتخاب کتب میں بھی رکھا جاتا تھا، قلم اور سیاہی کو دیکھا جاتا تھا، یہ کتابوں کی قیمت پر اثر انداز ہوتی تھیں، اس لئے اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا، عربی میں دوات کو محبرہ[54] اور دوات رکھنے کے برتن کو دستیج کہا جاتا ہے،[55] علوم و کتب میں اضافہ کی خاطر بعض علماء جب گھر سے نکلتے تو دوات و قلمدان اور کاپی اپنی پنڈلی میں جوتے کے ساتھ باندھ کر نکلتے تھے،[56] عہد عباسی میں اشاعت کتب کا اندازہ بھی محبرہ کے شمار سے کیا جاتا تھا، مجلس املاء میں طلبہ اور نسخوں کی تعداد کے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ محبرہ کی گنتی تھی، انھیں گن کر صحیح تعداد معلوم کی جاتی تھی،[57]

عہد عباسی میں سیاہی سازی ایک فن کی حیثیت سے ممتاز تھی، سیاہی ساز اور سیاہی فروش کو حبری،[58] اور حبار کہا جاتا تھا،[59] عہد عباسی میں بعض اہل علم اپنی زمین و جائداد فروخت کر کے اس کی قیمت سے طلبہ کی سیاہی

---

[51] الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ لعبد القادر التیمی تحقیق عبد الفتاح محمد الحلو القاہرہ: المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ ۱۳۹۵ھ، ج ۱ ص ۳۴۷، [52] ج ۱ ص ۸۶، [52] الفہرست لابن الندیم، ص ۱۴، [53] ادب الاملاء للسمعانی، ص ۱۵۱، [54] معجم الادباء، ج ۳، ص ۱۳۶، [55] قضاء الارب عن ذکر علماء النحو والادب از ذوالفقار علی نقوی، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۳۱۶ھ ص ۳۹، [56] الانساب للسمعانی، ورق ۵۸۰ ب، [57] تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۳۵۳، ۴، [58] ایضاً، کتاب الانساب للسمعانی، ج ۴، ص ۴۴، اللباب لابن الاثیر ج ۱، ص ۳۳۶، تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ لابن حجر تحقیق علی محمد البجادی، مصر، الدار المصریہ للتالیف والترجمہ، ۱۳۸۳ھ، ج ۱، ص ۳۹۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵، [59] کتاب الانساب، ج ۴ ص ۲۶، اللباب، ج ۱، ص ۳۳۴،

اور دوات وغیرہ کی ضروریات پوری کرتے تھے،[۵۱]

کتابت و خوشنویسی زبان و بیان اور کتابت و تحریر اللہ تعالیٰ کا بنی نوع انسان پر خاص فیضان ہے اسی لیے قرآن نے اس کا ذکر بطور امتنان کیا ہے، فرمایا گیا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن - ۲) اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" العلق - ۳ - ۵) اس (رحمٰن) نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا،

اس فضیلت و شرف میں جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہوا، لفظ و خط میں بھی ایک نوع کا شرف آ گیا ہے، خط کے ذریعہ نوع انسانی کا خاصہ قوت سے فعل کی طرف آیا،[۵۲] اور عقل و نطق اور خط کی وجہ سے انسان کو حیوانات پر فضیلت حاصل ہوئی ہے[۵۳]، خط و الفاظ پر اور الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہیں، فرق یہ ہے کہ لفظ متحرک ہے، وہ بنی نوع انسان میں ایک گونہ حرکت پیدا کرتا ہے، خط ساکن ہے، یہ ذوق جمال کی تسکین کا موجب ہے[۵۴]،

قرآن کی پہلی وحی "اقراء" پڑھ، اور سورہ القلم ن و القلم وما یسطرون (نون اور قسم ہے قلم کی اور جو وہ لکھتے ہیں) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اکتب"[۵۵] "لکھو" "اکتبوا ذالک لا حرج"[۵۶] (میری باتیں) لکھو کوئی حرج نہیں، "قیدوا العلم

[۵۱] تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۹۸۶، ۲۴۹ اھ [۵۲] ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد تالیف محمد بن ابراہیم بن سعد مصر، مطبعۃ الموسوعات، ۱۳۱۸ھ ص ۳۰، [۵۳] روح المعانی للآلوسی، ج ۱۵، ص ۱۱۱، [۵۴] تحفۃ اولی الالباب للصائغ، ص ۲۶-۲۷، [۵۵] سنن الدارمی تالیف عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، دمشق، مطبعۃ الاعتدال ۱۳۴۹ھ ج ۱ ص ۱۲۵، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، الریاض، مکتبۃ النصر الحدیثۃ ب، ت، ج ۱ ص ۱۰۵-۱۰۶، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ج ۱ ص ۷۱، تقیید العلم، ص ۷۰، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبۃ، ص ۳۶۵، الالماع للقاضی عیاض ص ۴۶، فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۵، [۵۶] المحدث الفاصل بین الراوی والواعی تالیف الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی تحقیق محمد عجاج الخطیب، بیروت، دار الفکر، ۱۳۹۱ھ، ص ۳۶۹ (حدیث نمبر ۳۳۱) تقیید العلم للخطیب، ص ۳۶۹، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد بتحریر الحافظین العراقی وابن حجر تالیف نور الدین علی بن ابی بکر، القاہرۃ مکتبۃ القدسی ۱۳۵۳ھ ج ۱ ص ۱۵۱، منتخب کنز العمال للمتقی، ج ۴، ص ۵۸، ....

بالکتاب"[۵۷] علم کو قید تحریر میں لاؤ، نے عربوں کے فکر و نظر کو بدلا، آپ کی پسندیدگی اور تاکیدی امر نے انہیں قراءت و کتابت کا خوگر بنایا، اس سے عربی رسم خط کی خوب نشر و اشاعت ہوئی، آپ نے وحی الٰہی کو عربی رسم خط میں قلمبند کرایا، صلح نامے، امان نامے، جاگیر نامے، معاہدے بادشاہوں، امیروں کے نام سیاسی، تاریخی، مذہبی، تبلیغی خطوط، حکام و عمال کے نام فرامین سب اسی خط میں تحریر کرائے، معلم کے لئے بھی کاتب کا لفظ استعمال کیا[۵۸]۔ سب سے پہلے سرکاری حیثیت میں عربی رسم الخط کا پہلا مدرسہ مدینہ میں مسجد نبوی میں قائم کیا[۵۹]، اس میں نوشت و خواند کی تعلیم پر کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا، ہر ایک کو اس فن کی مفت تعلیم دی جاتی تھی، اس سے عربوں میں خصوصاً اور غیر عربوں میں عموماً عربی رسم خط کی نشر و اشاعت ہوئی، بدر کے جنگی قیدیوں کا فدیہ دس مدنی بچوں کو کتابت سکھانا مقرر کر کے سرکاری حیثیت سے اس کی ترویج و اشاعت کی اور ۲ سنہ ھ کے بعد مدینہ میں کتابت کے فن کی ایسی اشاعت ہوئی کہ پھر صحابہؓ کی غالب اکثریت نوشت و خواند سے بہرہ ور ہوئی، ان میں کاتبانِ قرآن، مراسلہ نگار اور کاتب پیدا ہوئے، خط و کتابت کی ترقی، معاشرتی زندگی میں اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ جو تیر اندازی، شناوری کے ساتھ لکھنا پڑھنا جانتا اسی کو مرد کامل کہا جاتا تھا اس کے بغیر مرد ناقص سمجھا جاتا تھا[۶۰]،

عہد رسالت میں سب سے زیادہ قرآن و حدیث کو لکھا جاتا تھا، کثرت کتابت کی وجہ سے کوفی رسم خط سے پہلے مدینہ

[۵۷] المحدث الفاصل ص ۳۶۵ (حدیث نمبر ۳۱۸ و ۳۲۷) تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۰، ص ۴۶ (لہ) تقیید العلم ص ۶۹، منتخب کنز العمال، ج ۴ ص ۶۹ الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر تالیف یوسف النبہانی، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۵۱ھ، ج ۲ ص ۳۰۶، [۵۸] لسان العرب لابن منظور، ج ۲ ص ۱۹۳ (مادہ کتب) [۵۹] سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۲۹، انتشار الخط العربی فی العالم الشرقی والغربی تالیف عبدالفتاح عبادہ، مصر، مطبعۃ ہندیہ ۱۹۱۵ء، ص ۱۲، [۶۰] الفہرست لابن الندیم ص ۹ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم خط سریانی رسم خط کے انداز پر ترقی کرتے رہے، چنانچہ سریانی رسم خط میں ایک قسم التحریر المخفف تھی، جسے لیٹا خط مدور کہتے تھے، الفہرست لابن الندیم ص ۱۸،

ومکہ میں عربی رسم خط کو فروغ حاصل ہوا، مدنی اور مکی خط میں امتیاز شان کی وجہ سے مدینہ کا رسم خط مدنی، اور مکہ کا مکی رسم خط کہلایا، پھر اس کے دائرۂ اثر میں وسعت ہوئی اور بصری، کوفی کی نسبت سے بھی مشہور ہوا۔

قرآن مجید کا رسم الخط ان تینوں خطوں سے جدا تھا، اسے الجزم کہتے تھے، جزم کے معنی کاٹنا ہیں، یہ خط حمیری (مسندی) سے ماخوذ ہے (کاٹ کر بنایا گیا) نقطے اور اعراب سے خالی تھا اس لئے اس کا نام جزم رکھا گیا تھا[۱]

اسی خط میں مصاحف عثمانی لکھے گئے تھے اور عہد عثمانی میں ان کی نقلیں مختلف مرکزی شہروں کو بھیجی گئی تھیں، اس سے عربی رسم الخط کو سرکاری حیثیت میں فروغ حاصل ہوا، صحابہ وتابعین نے اسی طرز تحریر میں اس کو نقل کیا، یہ رسم خط پورے اسلامی قلمرو میں پھلا پھولا۔

قرآن مجید قرأت، کتابت، تجلید ہر چیز میں دوسری کتابوں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس کے اصولِ قرأت جدا، اصول کتابت جدا ہیں، یہ مروجہ اصولِ کتابت کی پابندیوں سے بالاتر ہے، اس کے اصولِ کتابت پر قراء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان ہی وجوہ سے ابن درستویہ المتوفی ۳۴۷ھ نے کتاب الکتاب میں تصریح کی ہے کہ مصحف کے رسم الخط میں بعض باتیں اصولِ ہجا کے سراسر خلاف ہیں اسے ہجا پر قیاس کرنا درست نہیں، اور نہ اس کے رسم خط کی مخالفت درست ہے، کیونکہ جو کچھ مصحف میں مسطور ہے اس کو امت نے قبول کیا ہے[۲]، قرآنی رسم خط کوفہ میں کوفی علماء کا اور بصرہ میں بصری علماء کا مرکز توجہ بنا اور انھوں نے اسی رسم خط کی روشنی میں اصول کتابت وضع کئے تھے[۳]،

(باقی)

---

[۱] مناہل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی، ج ۱، ص ۳۵۶، [۲] کتاب الکتاب تالیف عبداللہ بن درستویہ تحقیق ویوس شیخو، بیروت: المطبعۃ الکاثولیکیۃ، ۱۹۲۷ء، ص ۷، مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ تالیف احمد طاش کبری زادہ، تحقیق کامل کامل بکری، عبدالوہاب ابوالنور، القاہرہ، دارالکتب الحدیثۃ، ۱۹۶۸ء، ج ۱ ص ۹۴، [۳] الہدایۃ الی ضوابط الکتابۃ تالیف ابراہیم عبداللطیف، القاہرہ، شرکۃ مرکز کتب الشرق الاوسط، ۱۹۷۲ء، ص ۱۱ و ۱۲،

کتاب سازی و وراقت

از جناب مولانا محمد عبدالحلیم چشتی صاحب، کانو، نائجیریا

(۲)

عہد خلافت راشدہ میں صحابہؓ اسلام کی نشر و اشاعت، فتوحات کی وسعت اور جنگی مصروفیات کی وجہ سے خط کی آرائش و زیبائش اور ذوق جمال کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے کیونکہ تلوار اور قلم ایک ہی وقت میں ہاتھ میں نہیں پکڑے جا سکتے تھے، اموی دور میں سلطنت کی وسعت، امن و امان کی بحالی اور تمدنی ترقی کی وجہ سے ثقافتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا، نامور خطاط پیدا ہوئے، مصحف نگاروں میں خالد بن الہیاج کو شہرت حاصل ہے[1]، اور کاتبوں میں قطبہ جو اپنے وقت کا سب سے بڑا خطاط تسلیم کیا گیا تھا، اس نے چار اسلوب خط ایجاد کئے تھے[2]، مالک بن دینار المتوفی ۱۳۰ھ نے مصحف نگاری بطور پیشہ اپنائی[3]۔

امویوں سے اقتدار عباسیوں کو ملا تو ثقافتی سرگرمیاں اور بھی تیز تر ہو گئیں، اور فن خطاطی کو بہت فروغ حاصل ہوا، شاگردان حسن بصری میں ضحاک بن عجلان، قطبہ سے بازی لے گیا، خلیفہ منصور و مہدی کے دور میں اسحاق بن حماد المتوفی ۱۵۴ھ نے بہت تلامذہ یادگار چھوڑے جن میں یوسف لقوہ الشاعر اور ابراہیم بن محسن کا نام سرفہرست ہے[4]، اور ان کے معاصر شقیر، ثناء کاتبہ، عبدالجبار (استادان فن میں تھے)، کوئی ان کے رنگ میں نہیں لکھ سکتا تھا[5]۔

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۹، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] پیدائش خط و خطاطان از عبدالمجید ایرانی مصر اچاپخانہ چہرہ نما ۱۳۶۰ھ ص ۰۰، قسطنطنیہ مطبعۃ ابو الضیا ر ۱۳۵۰ھ ص ۳، الخطاط البغدادی علی بن ہلال المشہور بابن البواب، تالیف سہیل انور، ترجمہ محمد بہجۃ الاثری، عزیز سامی البغدادی، بغداد مطبعۃ المجمع العلمی العراقی ۱۳۷۷ھ ص ۱۰، [5] الفہرست لابن الندیم ص ۱۰

مذکورہ بالا حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں خوشنویسی کا فن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ اس میں لونڈیاں بھی نام پیدا کرنے لگی تھیں۔

اقسام خط

عہد ہارونی میں کاتبوں نے اس فن میں اتنا تنوع پیدا کیا کہ بارہ کوفی رسم الخط رائج ہو گئے، جن میں خط جلیل سب سے زیادہ مشکل تھا[1]، پھر بغداد میں ایک خط ایجاد ہوا جسے خط عراقی اور خط وراق کہا جاتا تھا، یہ خط برابر ترقی کرتا رہا، تا آنکہ کاتب احول نے جو برامکہ کا کاتب تھا، اس خط کے قواعد و اقسام کو منضبط و قلمبند کیا[2]۔

خلیفہ مامون کے عہد میں علوم کی ترقی کے ساتھ فن خوشنویسی کو بھی ترقی ہوئی، بارہ کوفی طرز خط ترقی کر کے بیس تک پہنچ گئے تھے[3]، ان کا شمار کوفی خط میں تھا، دو کوفی خط سرکاری دفتری رسم خط تھا[4]، وزیر مامون ذو الریاستین فضل المتوفی ۲۰۲ھ نے ایک خط ریاسی ایجاد کیا جو گذشتہ سارے رسم خطوں سے فائق تھا، اس سے چودہ رسم خط پیدا ہوئے تھے[5]، اس عہد میں خوشنویسی اتنی ترقی کر گئی تھی، کہ خاندان کے خاندان اس شریف پیشے کو اختیار کرنے لگے تھے، چنانچہ مقتدر باللہ کے استاد ابو الحسین اسحاق شاگرد ابن معدان اپنے دور کا سب سے اچھا خوشنویس تھا، اس کا بھائی، بیٹا، پوتا سب اسی کی روش پر لکھتے تھے[6]، اس نے کتابت کے موضوع پر ایک رسالہ بھی الموافق کے نام سے لکھا تھا[7]، لوگ اس فن کی طرف رغبت کرنے لگے تھے، خطاطوں کا مصوروں سے زیادہ مرتبہ بلند تھا، اس لئے ادب و تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ محفوظ ہے،

اس زمانہ میں ابو علی محمد بن علی ابن مقلہ بغدادی ۲۷۲ھ المقتول ۳۲۸ھ وزیر

[1] پیدائش خط و خطاطان از عبدالمجید ایرانی ص ۸۲، ۸۰، حیات خطاطان ص ۳، الخطاط البغدادی علی بن ہلال المشہور بابن البواب ص ۱۹، انتشار الخط العربی فی العالم الشرقی والغربی تالیف عبدالفتاح عبادہ، مصر مطبعۃ ہندیہ ۱۹۱۵ء ص ۱۳ [2] الفہرست لابن الندیم ص ۱۱، ۱۲ [3] ایضاً ص ۱۳، [4] ایضاً ص ۱۲، [5] ایضاً ص ۹، انتشار الخط العربی ص ۳۳ [6] الفہرست لابن الندیم ص ۱۲، ۱۵ [7] ایضاً ص ۱۳۔

خلیفہ مقتدر، قاہر و راضی باللہ،[۱] ابن مقلہ ہندس[۲] شاگرد ابراہیم سجزی و احول امام فن خطاط اور شاعر تھا، کوفی خط کا طرز نگارش ہندسانہ ہے، اس کی اساس زاویہ دار طرز نگارش رہے، ابن مقلہ کو ان دونوں فنون سے طبعی مناسبت تھی، اس نے اس خط کو جس کا ابتداء میں غیر سرکاری تحریروں میں استعمال سے آغاز ہوا تھا، بعد میں خط نسخ کا نام دیا گیا، انقلاب پیدا کیا، اور کوفی رسم الخط کی جگہ اُس کو قرآن مجید کا رسم خط بنایا اب[۳] یہی ساری دنیا میں اسلام کا رسم خط ہے، پیچیدہ کوفی رسم خط جس کا لکھنا پریشانی کا موجب تھا منسوخ قرار دیا، ابن مقلہ نے اس خط کے بارہ[۱۲] قواعد مرتب کئے تھے[۴]،

اس کا طرز نگارش ضرب المثل ہے کسی شاعر نے کہا ہے،

فصاحۃ حسان وخط ابن مقلہ	وحکمۃ لقمان وعفۃ مریم
حسان کی فصاحت اور ابن مقلہ کا خط	لقمان کی حکمت اور حضرت مریمؑ کی عفت
اذا اجتمعت فی المرء والمرء مفلس	ونودی علیہ لایباع بدرھم[۵]

جب یہ باتیں کسی آدمی میں جمع ہو جائیں اور آدمی بھی وہ مفلس ہو، اور اسکے نمونہ خط کی بولی لگائی جائے تو افلاس کی وجہ سے اسکی قیمت ایک درہم بھی نہیں ہو گی۔

اسلامی تمدن نے مشرق و مغرب میں دو معنوی دائمی آثار و نقوش نفوس انسانی پر چھوڑے ہیں،

---

۱ ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب للثعالبی تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، القاہرہ، مطبعۃ المدنی ۱۳۸۴ھ صفحہ ۲۱۰ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۶۱ ۳ الخطاط البغدادی علی بن الھلال المشہور بابن البواب، صفحہ ۱۶ ۳ ایضاً، انتشار الخط العربی، صفحہ ۱۵، ۴ بدیع اللہ دبیر نژاد، سیر خوشنویسی در قرن پنجم ہجری وظہور ابن بواب ہنر و مردم شمارہ ۱۳۱ (۱۳۵۱ ف) ص ۵۳-۵۴-۵۵، تذکرۂ خوشنویسان معاصر از علی راہجری، تہران کتاب خانہ ابن سینا (۱۳۴۶ ف) ص ۱۵ ۵ راہجری نے تذکرہ خوشنویسان معاصر (ص ۱۵) میں مصرع آخیرہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ فلیس لہ قدر بمقدار درھم

ان میں عربی زبان اور ابن مقلہ کا یہ رسم خط بھی ہے،[۱] فن خوشنویسی نے فنون جمیلہ کی وہ تربیت کی کہ پوری مسلمان قوم میں تقریباً ہر پڑھا لکھا، عالم و عامی اشکال موزوں کا ذوق رکھنے لگا تھا[۲] ابن مقلہ نے کوفی خط کو عراقی طریقہ کی طرف منتقل کیا پھر ابن البواب المتوفی ۴۲۳ھ نے اس میں ندرت پیدا کی اور یاقوت مستعصمی المتوفی ۶۹۸ھ/۱۲۹۹ء نے خط کو پایہ کمال تک پہنچایا، اور اس کے قوانین کی تکمیل کی۔[۳]

یہ عربی رسم خط زینت و آرائش کا موجب رہا اور اس نے اہل یورپ کو بھی متاثر کیا، چنانچہ تھامس آرنولڈ (Tramas Arnold) لکھتا ہے،

اسلامی فن میں عربی کا واحد حصہ اس کا رسم الخط ہے جو مسلمانوں کے اثر و اقتدار کا ایک عالمگیر نشان ہے چونکہ اس رسم الخط میں قرآن مجید لکھا جاتا تھا، اس لئے یہ ساری دنیائے اسلام میں مقدس و محترم سمجھا جاتا تھا، اس فن میں خوشنویسوں نے ایسا کمال پیدا کیا کہ نہ صرف ایک خوشخط کتاب نہایت بیش بہا چیز سمجھی جاتی تھی، بلکہ کسی باکمال خطاط کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پرزہ بھی شائقین فن کے نزدیک ایک قابل فخر ملکیت تھا، اگرچہ یورپی کاریگر اس رسم الخط کو پڑھنے سے قاصر تھے لیکن آہستہ آہستہ وہ اس کی شکل و شباہت سے آشنا ہو گئے، اس "علم اور جہالت" کا ایک پرانا ثبوت اس طلائی سکے سے ملتا ہے، جو اون (شاہ مرسیہ) (۷۵۷-۹۶ء) نے مضروب کیا، جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے (شکل ۱۲)، اس کی شکل مسلمانوں کے دینار سے ملتی جلتی ہے،

اس زمانے کے بعد سے مسیحی یورپ کے کاریگروں کی مصنوعات میں عربی حروف اور مسلمانوں کی تزیینی آرائشوں کا رواج روز افزوں ہو گیا،... بہت سے سیاح مسلمان ملکوں میں

---

۱ انتشار الخط العربی، ص ۲۰ ۲ سید عبداللہ، دور اسلامی میں ابتدائی تعلیم کا آغاز، چٹان (۲۹ جنوری ۱۹۷۳ء)، ص ۶ ۳ بدیع اللہ دبیری نژاد، یاقوت مستعصمی و ہنر خوشنویسی، ہنر و مردم، شمارہ ۱۰۶ (مرداد ماہ ۱۳۵۰ ف) صفحہ ۵ -

جانے لگے، ان کے سفر کی وجہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے علاوہ اس علم کی تشنگی تھی، جس کے واحد وارث مسلمان تھے، تجارت اور دوسرے مفادات کی کشش بھی تھی، یہ سیاح جب سفر سے واپس آئے تو عرب کی شوکت وعظمت کے افسانے سناتے اور ان کے ثبوت میں مسلمانوں کی صناعی اور کاریگری کے وہ نمونے پیش کرتے جو وہ مسلمان ملکوں سے لیکر آتے تھے[1]۔

تحریر وکتب شناسی | عہد عباسی میں خطوط شناسی ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، چنانچہ اس فن میں اہل علم درک حاصل کرتے تھے، محمد بن عبد الرحمٰن بن معمر قرطبی المتوفی ۴۲۳ھ خلیفہ محمد بن ابی عامر منصور کے شاہی کتب خانے میں اور اس کے فرزند کے خزائن الکتب میں کتابچوں کی تصحیح ومقابلہ پر مامور تھے، ان کو اس فن میں کمال حاصل تھا، چنانچہ ابن الآبار کا بیان ہے۔

کان من اعلم الناس بالکتب	موصوف کتابوں اور ان کے اسباب
وعللها وابوجهم بجمعها و	وعلل کے سب سے بڑے عالم تھے کتابوں
افسرهم لخطوطها ونسبهم	کو جمع کرنے اور ان کی وراقوں کی طرف
لها الی وراقها[2]۔	نسبت کرنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے،

کان من اعلم الناس الخ کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں مشرق (ایشیا وافریقہ) اور مغرب (ہسپانیہ) میں کتب شناس وخطوط شناس کثرت سے موجود تھے، اس فن میں درک ومہارت حاصل کرنے کے لیے نامور خوشنویسوں اور وراقوں کے خط کے نمونے جمع کرکے اس فن میں بصیرت حاصل کرتے تھے، شاہی کتب خانوں میں ایسے ہی ماہر خطوط و

[1] Thomas Arnold Islamic Art and its influence Painting in Europe - میراث اسلام، ترجمہ عبدالمجید سالک لاہور، انجمن ترقی اردو ۱۹۲۲ء ص ۵۵ تا

[2] التکملہ لکتاب الصلۃ تالیف ابن الآبار القضاعی، القاہرۃ، عزت العطار الحسینی، ۱۹۵۵ء۔

کتب شناس، تصحیح ومقابلہ کتب کی خدمات پر مامور کئے جاتے تھے۔

عربی رسم الخط کی فطری سادگی، روانی ودلکشی اور دوسرے رسم الخطوں پر اس کی فوقیت کا اعتراف اس دور کے شہرۂ آفاق مورخ ٹائن بی کو بھی ہے وہ لکھتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید امر ہے کہ ترک لاطینی حروف کو اپنے پرانے رسم الخط کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ بھدا اور ناموزوں پاتے ہیں، بلکہ شکل اور بے ڈھنگا بھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عربی رسم الخط اپنے حسین دائروں کے ساتھ ہمارے لاطینی رسم خط سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے یہ مختصر بھی ہے، اور رواں، مسلسل اور خوش اسلوب بھی، ایک قوم جو عربی رسم الخط استعمال کر رہی ہو اسے شارٹ ہینڈ کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی[1]۔

مدرسۂ خوشنویسی | عہد عباسی میں خوشنویسی کا فن مدارس میں سکھایا جاتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ مدارس میں اس کا مستقل شعبہ قائم کیا جاتا تھا، یہ فن خطاطی کی اشاعت کا سبب تھا تحصیل علم کے بعد طلبہ واہل علم کو یہ فن مادی زندگی میں معاشی احتیاج سے مستغنی کرتا تھا، چنانچہ ابن باہا نظامی جو نہایت عمدہ شاعر و خطاط تھا، اس نے جب نظام الملک طوسی کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تو اس نے اس کی بہت قدر کی، جامعہ نظامیہ نیشاپور میں ٹھہرایا، یہاں انھوں نے خوشنویسی سکھائی[2]۔

کتابت وخوشنویسی کی تعلیم وفروغ کے لئے جداگانہ مدرسہ بھی قائم کیا جاتا تھا، تاکہ کتابوں کی نقل کے لئے کاتبوں اور خوشنویسوں کی کمی معاشرہ میں محسوس نہ کی جا سکے۔

اسی قسم کا ایک مدرسہ ابو الرضی محمد بن احمد بن داؤد المعروف بالمفید المتوفی ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء نے

[1] Arnold J. Toynbee, A study of history (London) Oxford University Press, 1939. vol, H, PP. 51-55

[2] دمیۃ القصر وعصرۃ اهل العصر تالیف ابو الحسن علی الباخرزی، حلب المطبعۃ العلمیۃ ۱۳۴۸ھ، ص ۶۴۔

بغداد میں کھولا تھا، جس میں موصوف خوشنویسی اور ریاضی کی تعلیم دیتے تھے۔[۵] اس کی روشنی میں یہ کہنا بھی بجا ہے کہ اس قسم کا مدرسہ خوشنویسی کی تربیت گاہ (Training Centre) کا کام دیتا تھا۔

نقل وضبط کا اہتمام

عہد عباسی میں علماء جو کتابیں تالیف کرتے انھیں پڑھاتے، طلبہ اور علماء کو اس امر کی تصدیق کے لئے سند دیتے تھے، کہ یہ کتابیں انھوں نے حسب استعداد اور حسب موقعہ و محل کلاً یا جزءً استاد یا مصنف سے سمجھ کر پڑھی ہیں، اور استاد نے کتاب کو پڑھانے اور سننے کے بعد اہلیت کی بنیاد پر انھیں کتاب روایت کرنے کی اجازت دی ہے، دراصل استاد یا مصنف کی موجودگی میں کتاب کو سننا سنانا اس کتاب کی صحت کا ضامن ہوتا، اس نسخہ کو اغلاط و الحاق سے پاک سمجھا جاتا، اس نسخہ کتاب سے پڑھنا، پڑھانا، نقل کرنا، اقتباس پیش کرنا مستند سمجھا جاتا تھا، اس کو اصطلاح محدثین میں صحت وضبط کتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے، محدثین کا یہ وہ زریں اصول ہے، جس کی تقلید ائمہ لغت وغیرہ نے بھی کی ہے۔[۶]

وہ عالم جو مصنفین اور اساتذۂ فن سے کتابیں روایت نہیں کرتا اور کتب خانے میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا، ان سے اقتباس لیتا، وہ صحفی کہا جاتا تھا، اس کی کتاب اور اقتباس کو کبھی سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تھا، چنانچہ احمد بن محمد بشتی المتوفی ۳۴۸ھ/۹۵۹ء نے جو زبردست لغوی اور کتاب الخصائل کا مصنف تھا، مقدمۂ کتاب میں اس مسلمہ اصول کی مخالفت کی اور کہا۔

میں نے اس کتاب میں جو اقتباس پیش کئے ہیں وہ مذکورۂ بالا کتابوں سے ماخوذ ہیں،

---

۵ الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۱۲ ۶ تہذیب اللغۃ محمد بن احمد الازہری تحقیق عبد السلام محمد ہارون القاہرۃ، دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء ج ۱ ص ۳۳۔

ممکن ہے بعض لوگ برا بھلا کہیں اور اس امر میں تنقید کریں کہ میں نے جن علماء کی طرف ان اقوال کی نسبت کی ہے، ان سے مجھے روایت و سماع حاصل نہیں، ان کتابوں سے اقوال نقل کرنا اس عالم کے لیے موجب عیب نہیں جو صحیح و غلط کو پہچانتا ہو۔[۷]

ازہری نے موصوف کے اس موقف پر سخت تنقید کی اور کہا بلاشبہ بشتی کو اس امر کا اعتراف ہے کہ جن کتابوں سے اس نے اپنی کتاب میں اقتباسات پیش کئے ہیں ان کا سماع اسے حاصل نہیں، ان اقتباسات کے لئے مذکورۂ بالا عذر پیش کرنا ہی اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ صحفی ہے اور صحفی کا ذخیرہ وہ کتابیں ہوتی ہیں جن کا وہ مطالعہ کرتا ہے، ان میں تصحیف کرتا، غلط پڑھتا اور زیادہ پڑھتا ہے، تاکہ ان کتابوں کے مواد سے لوگوں کو متعارف کرائے جنھیں اس نے اساتذۂ فن سے نہیں سنا اور اسے علم نہیں کہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے، وہ صحیح ہے، یا غلط اور ہم نے جو زیادہ پڑھا ہے، وہ زیر زبر اور صحیح نقطوں کے ساتھ ضبط تحریر میں آیا ہے یا نہیں اس کی تصحیح ارباب نظر نے کی ہے یا نہیں، یہ ایسی غلطی ہے جس پر جاہل ہی اعتماد کر سکتا ہے،[۸] اس کے یہ معنی نہیں کہ جن کتابوں کی سند حاصل نہیں، ان سے اقتباس پیش کرنا درست نہیں، ان سے تائید واستشہاد کے طور پر اقتباس پیش کرنے کا حق ہر عالم کو حاصل ہے، اس لیے کہ اس کے پاس اس کی اصل اپنے سلسلۂ سند سے موجود ہوتی ہے، ازہری فرماتے ہیں۔

" ابو تراب نے ابو سعید ضریر (نابینا) سے برسوں استفادہ کیا، بہت سی کتابوں کا سماع کیا، پھر ہرات آکر شمر سے بعض کتابوں کا سماع کیا، اور یہ اس کے علاوہ تھا جو موصوف نے فصیح و بلیغ بدوؤں سے سنا اور یاد کیا تھا، اب وہ کسی ایسے آدمی کا ذکر کریں

---

۷ تہذیب اللغۃ محمد بن احمد الازہری تحقیق عبد السلام محمد ہارون، القاہرۃ، دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ سنہ ۱۳۸۴ھ ج ۱ ص ۳۴ ۸ تہذیب اللغۃ للازہری، ص ۳۴۔

جسے انھوں نے دیکھا اور سنا نہیں تو نرمی سے کام لیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو کچھ انھوں نے کتابوں میں دیکھا اسے یاد کیا، اس اعتبار سے کہ انھیں ان کا مصنف سے سماع ثابت ہے تو ایسی صورت میں جس کو انھوں نے دیکھا، اس کا قول نقل کرنا تائید کے طور پر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اس بات کو اس کے علاوہ دوسرے سے سنا ہے اور یہ محدثین کا ساعمل ہے کہ وہ جب کسی باب میں ایسی حدیث پائے جسے کسی معتبر راوی نے کسی ثقہ سے روایت کیا ہو تو اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس کا شمار ان روایات میں کرتے ہیں، جنھیں انھوں نے اجازۃً روایت کیا ہے۔[1]

مصنفین مقدمۂ کتاب میں اسی لئے اس امر کی صراحت کرتے تھے کہ جن کتابوں کے اقتباس ہم نے پیش کئے ہیں ان کا سماع بواسطہ اساتذۂ فن ہمیں مصنفین سے حاصل ہے۔[2] اسی بناء پر ہم نے جو اور کتابوں میں پڑھا ہے یا ان کتابوں میں جنھیں وراقوں نے نقل کیا ہے، دیکھا ہے، کتاب میں درج نہیں کیا ہے، ورنہ کتاب بڑی طویل ہو جاتی اور اسے سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔[3]

کتابوں میں اعراب کا اہتمام عربی زبان میں زیر و زبر کے فرق سے الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں یہ بات عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اردو میں بھی ہے، چنانچہ بُجری اور بَکری، گُگڑی اور گَگڑی میں زیر و زبر اور زبر و پیش کے فرق سے معنی بدل گئے، رسالت مآبؐ کے اقوال سے شرعی احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، اس میں زیر و زبر کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری سمجھا گیا اور کتابوں میں اعراب کا اہتمام کیا جانے لگا تاکہ غیر متبحر کو پریشانی نہ ہو۔[4]

---

[1] تہذیب اللغۃ ازہری ص ۴۳ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۴۰ [4] الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید سماع العیاض ابن موسیٰ تحقیق احمد صقر القاہرۃ، دار التراث ۱۳۸۹ھ ص ۱۵۰ - ۱۵۲، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ تالیف محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی تحقیق فرانز روزنتھال بغداد مطبعۃ العانی ۱۹۶۳ء ص ۱۰۱، مناہیج العلماء فی البحث العلمی تالیف روزنتھال ترجمہ انیس فریحہ، بیروت، دار الثقافہ ۱۹۶۱ء ص ۴۲ - ۴۳۔

ان وجوہ سے محدثین نے مشکل حروف اور قابل اشتباہ کلمات کی صحت و ضبط پر زیادہ زور دیا، اور ہدایت کی کہ مشکل حرف کو کتاب کے حاشیہ پر حرف کے سامنے لکھے، یہ حرف نقطے والا ہو یا بے نقطے والا تاکہ قاری کو رہنمائی ہو سکے اور اشکال جاتا رہے، خاص طور پر جب کتاب باریک اور سطروں میں بھی گنجائش کم ہو تو اسے پورا لکھنے سے اشکال جاتا رہے گا، چنانچہ حا کے نیچے چھوٹی ح بناتے، عین کے نیچے چھوٹا ع اور صاد، طا، دال اور راء کے نیچے چھوٹی سی صاد وغیرہ بناتے تھے، یہی بعض اہل مشرق و مغرب کا دستور تھا، بعض علماء حروف مہملہ پر تبرہ (ہمزہ کا سا) نشان بناتے تھے، بعض علماء حروف مہملہ میں نقطوں کو بدلتے تھے، اور انھیں اہمال کی غرض سے نیچے لگاتے تھے۔ اہل مشرق کا دستور یہ ہے کہ وہ حروف مہملہ پر نصب نبرہ کے بقدر بہت ہی مختصر خط میں حروف کے اوپر لگاتے ہیں۔[1] بلکہ ابن درستویہ نے تصریح کی ہے کہ بعض کاتب غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے ہر مشتبہ حرف جیسے راء، سین، صاد اور عین کے نیچے بھی نقطہ لگاتے تھے، تاکہ راء، شین، صاد، ضاد اور غین جن کے اوپر نقطہ لگایا جاتا ہے، امتیاز رہے۔[2] مذکورۂ بالا امور کی تصدیق کتاب "حذف من نسب قریش عن مورج السدوسی" سے جو مشہور نحوی و وراق، ابراہیم بن عبد اللہ نجیرمی المتوفی ـــــــہ کے مکتوبہ نسخہ سے کی جا سکتی ہے، جس کی تفصیل صلاح الدین المنجد نے مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۵ پر پیش کی ہے۔[3]

کتاب کا مقابلہ کتاب کو نقل کرنے کے بعد شیخ کے اصل شنیدہ نسخہ سے مقابلہ کرنا لازم ہے، یا پھر کسی ثقہ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے، بغیر مقابلہ و صحت نسخہ سے روایت کرنا درست نہیں ہے، عبارت میں اگر کہیں کوئی اشکال ہوتا ہے، تو مقابلہ و صحت سے وہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

---

[1] الالماع، ص ۱۵۰ [2] کتاب الکتاب لابن درستویہ، ص ۵۴، [3] کتاب حذف من نسب قریش لمورج بن عمرو السدوسی تحقیق صلاح الدین المنجد القاہرۃ؛ مکتبہ دار العروبۃ ۱۹۶۰ء ص ۱۵

اصل نسخہ سے مقابلہ اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ انسان کا ذہن ہر وقت حاضر نہیں رہتا ہے، قلب غافل ہو جاتا ہے، نظر بھر جاتی ہے، قلم بہک جاتا ہے، اس لئے بلا مقابلہ نسخہ قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا،[1] اور کتب خانوں میں ایسے نسخوں کی اہمیت زیادہ نہیں ہوتی،

تخریج اور الحاق نقص اگر کتاب نقل کرتے وقت کوئی حرف یا جملہ چھوٹ جائے تو بین السطور لکھا جائے، حاشیہ کتاب میں (لحق) اضافہ کو بین السطرین سامنے لکھا جائے عبارت کا آغاز اوپر کی طرف سے ہو تاکہ وہ اضافہ اسی سطر تک یا دو تین سطروں تک ختم ہو جائے اور اس کے آخر میں صح کا لفظ یا بعض علماء کی طرح بعد التصحیح، رجع یا انتہی الحق لکھنا چاہئے۔[2]

ہر وہ بات جو کتاب کے حواشی اور کناروں پر "تنبیہ" "تفسیر اور اختلاف ضبط کے عنوان سے لکھی جاتی ہے، اس پر تخریج نہ کی جائے کیونکہ اس سے التباس پیدا ہوتا ہے، یا اسے بھی اصل (متن) کتاب سے سمجھ لیا جاتا ہے، تخریج صرف اسی امر کی کرنا چاہئے، جس کا اصل کتاب سے تعلق ہو، بسا اوقات اس تخریج کے ساتھ حرف پر مثلاً ضبہ یا تصحیح کا اضافہ کیا جاتا ہے، جو اس اضافہ مرقومہ کا غماز ہوتا ہے۔[3]

یہ وہ اصول ہیں جو خلیفہ مستنصر باللہ کے خزانۃ الکتب میں "بیت المقابلہ والنسخ" کے نگرانوں نے اس کے محل میں وضع کئے اور برتے تھے،[4] قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ ہمارے شیوخِ ادب نے بتایا ہے، کہ حرف صح (صاد اور حا کے ساتھ) اگر لکھا جاتا ہے تو یہ صحت حرف کی علامت ہے، تاکہ کسی وہمی کو خلل و نقص کا گمان نہ ہو، یہ مختصر لفظ صحیح لکھنے کے برابر ہے اور اگر ص بغیر حا کے لکھی جاتی ہے تو حرف کے سقیم ہونے کی علامت ہے، اسی لئے اس پر پورا حرف نہیں لکھا جاتا، یہ اس کے نقص کا غماز ہے، اس حرف کو "ضبہ" کہتے ہیں، یعنی یہ حرف مقفل ہے، اس کے صحیح پڑھنے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی ہے۔[5]

---

[1] الالماع ص ۱۵۰-۱۶۰ [2] ایضاً ص ۱۶۲ [3] ایضاً ص ۱۶۵ [4] ایضاً [5] ایضاً ص ۱۶۹۔

ضرب (قلم زد کرنا)، حک (رگڑنا) شق (چیرنا) اور محو (مٹانا) نقل کتاب میں حرف، لفظ یا جملہ قلم سے زیادہ نکل گیا، جو اصل کتاب میں نہیں، اس کو قلم زد کرنے، مٹانے کے طریقے حسب ذیل تھے،

جن کلمات کو خط کھینچ کر قلم زد کیا جاتا تھا، اس کو ضرب و شق کہتے ہیں، علماء کلمات کو دو طریقوں سے قلم زد کرتے تھے، بعض علماء کا دستور یہ تھا کہ جن کلمات کو مٹانا ہوتا تھا، اس کے اوپر آغاز حرف سے اختتام تک خط کھینچ دیتے تھے، بعض علماء اس طرزِ عمل کو کتاب کا سیاہ کرنا سمجھتے تھے، وہ آغاز و اختتام عبارت پر نصف دائرہ بناتے تھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ بین القوسین عبارت قلم زدہ ہے، بسا اوقات تحویق (مٹانے) کے لئے بطور علامت شروع میں حرف "لا" اور آخر میں لفظ "الی" لکھتے تھے، یہ اس وقت کیا جاتا، جب کچھ حصہ غلط ہوتا یا کوئی حدیث کا ٹکڑا یا کلام کا حصہ رہ جاتا۔ لیکن سارا کلام غلط نقل ہو جانے کی صورت میں تحویق نام یعنی پورا قلم زد کرنا بہتر سمجھا جاتا تھا، اچھے کاتب شیوخ ضرب و تحویق کو پسند کرتے تھے، وہ ایسی صورت میں دائرہ صغیرہ اول میں بڑھاتے اور اس کو وہ صفر سے تعبیر کرتے تھے، اس کے معنی ان کے نزدیک صفر کا عدد سے خالی ہوتا تھا، اور یہ اس امر کی علامت تھا کہ دو صفر کے مابین عبارت صحت سے خالی ہے،[1]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نقل عبارت میں کمی و زیادتی واقع ہونے کی صورت میں کن اصول کو برتا جاتا تھا، یہ عہد عباسی کے وہ اساسی اصول ہیں جن میں کچھ آج بھی (Typing) میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں، نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداری اور انتخاب کتب میں ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں صنعت تصحیح و مقابلہ ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، کتب خانوں میں اس کا بہت اہتمام

---

[1] الالماع ص ۱۷۰-۱۷۱، المحدث الفاصل لا امہرمزی ص ۶۰۶-۶۰۷، مناہج العلماء فی البحث العلمی لروزنتھال ص ۴۴-۴۵

کیا جاتا تھا، اور خریداری میں ان اصول کو ملحوظ رکھا جاتا تھا، ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ ارباب فن کی خدمات حاصل کرنے کے لئے جو کوالف آج پبلک لائبریری میں جمع کئے جاتے ہیں اس کی ابتدا مسلمانوں نے کی تھی، انھوں نے اپنے کتب خانوں میں اس کا ایک مستقل شعبہ لائبریری میں قائم کیا، اور جس طرح وہ فنی معلومات بہم پہنچاتے تھے، تصحیح کا کام بھی کرتے تھے۔

عہد عباسی میں کتابوں کی صحت حسب ذیل ذرائع سے کی جاتی تھی۔

۱۔ اساتذہ کراتے تھے۔

۲۔ نامور علماء سے تصحیح کا کام لیا جاتا تھا۔

۳۔ کتب خانوں میں مقابلہ و تصحیح کے لیے مستقل عملہ رکھا جاتا تھا، جس میں نامور اہل علم کتابوں کی تصحیح و مقابلہ کرتے تھے۔

قواعد صحت و احتیاطی پہلو مشہور لغوی ابو محمد قاسم زیدی بچپن ہی سے کتابوں کی خواندگی و تصحیح میں لگ گئے، اور چالیس برس کتابوں کی صحت کراتے رہے تھے۔[1] بعض نابینا علماء بعض کتابوں کی صحت میں استناد کا درجہ رکھتے تھے، ان سے کتابوں کی تصحیح کی جاتی تھی، چنانچہ مشہور لغوی ابو القاسم شاطبی المتوفی ۵۹۰ھ سے بخاری، مسلم اور موطا پڑھی جاتی تو ان کی یادداشت سے نسخوں کی صحت کی جاتی تھی، اور مشکل مقامات پر حل طلب امور اور نکتے بھی لکھے جاتے تھے۔[2]

عالم و شاعر بقدر استطاعت متعدد نسخوں سے تحقیق، مقابلہ و تصحیح کرتا اور بسا اوقات اسے بہت سے نسخے میسر آجاتے تھے، جیسا کہ اخبار ابی تمام میں صولی کے بیان سے عیاں ہے،[3] امام حسن صغانی لاہوری نے صحیح البخاری کا صحیح نسخہ مرتب کرنے کے لئے اور نسخوں کے علاوہ

---

[1] معجم الادباء، یاقوت ج ۶ ص ۱۵۰، [2] الانباہ الرواۃ للقفطی ج ۴ ص ۱۵۵، [3] اخبار ابی تمام للصولی تحقیق خلیل محمود عساکر، محمد عبدہ عزام، نظیر الاسلام الہندی، بیروت، المکتب التجاری، ب، ت، ص ۸،

امام بخاری کے شاگرد فربری کا نسخہ بھی پیش نظر رکھا تھا۔[1] بادشاہوں وزیروں (امیروں) کے کتب خانوں میں ایک شعبہ تصحیح کا ہوتا تھا، اور یہ کام اہل فن سے لیا جاتا تھا، ابو العلاء حسین بن محمد بن مہرویہ نے کتاب اجناس الجواہر میں لکھا ہے کہ میں ابو علی فارسی نحوی کے پاس بغداد جاتا تھا بادشاہ نے ہفتہ میں دو دن انھیں کافی الکفاۃ کے کتب خانہ میں کتاب التذکرہ کی تصحیح کے لئے مامور کیا تھا،[2] اور حکم ثانی کے کتب خانہ میں تصحیح کرنے والے کتابوں کا مقابلہ و تصحیح قصر شاہی کے کتب خانہ قرطبہ میں کرتے تھے۔[3]

مصنف اپنی کتاب محنت سے تیار کرتا، عرصہ دراز تک اس کی خامیاں دور کرتا، اس میں اضافہ و تصحیح کرتا تھا۔[4] چنانچہ ابو بکر محمد بن عزیز سجستانی نے کتاب نزہۃ القلوب فی تفسیر غریب القرآن پندرہ برس میں لکھی تھی،[5] اور ابو عبید قاسم بن سلام نے غریب الحدیث چالیس برس میں لکھی تھی،[6] انہی وجوہ سے تذکرہ نگار صحیح ترین کتابیں رکھنے والوں کی نشاندہی کرتے تھے جس سے مقصد کتابوں کی قدر و قیمت بتانا اور انتخاب میں ان نسخوں کو ترجیح دینا تھا، چنانچہ ابو الحسن علی ابن المغیرہ الاثرم، المتوفی ۲۳۲ھ کے متعلق تصریح کی ہے، کہ ان کے پاس تصحیح شدہ کتابیں تھیں۔[7] ابو الحسن علی حلبی المتوفی بعد ۶۰۰ھ نحو و لغت کا عالم اچھا ناقل، تصحیح کتب کا دلدادہ تھا۔[8] اس نے اپنی کتاب میں وہی لکھا، جسے اس کے دل و دماغ نے محفوظ رکھا تھا۔[9]

---

[1] فتح الباری، ج ۲ ص ۸۸ [2] مناہج العلماء فی البحث العلمی ص ۳، [3] معجم الادباء ج ۳ ص ۱۴ [4] انباہ الرواۃ للقفطی ج ۳ ص ۲۷۳، ۱، [5] فہرست ما رواہ من شیوخ من الدواوین المصنفۃ فی ضروب العلم و انواع المعارف لمحمد ابن خیر الاشبیلی ط القاہرۃ، موسسۃ الخانجی ۱۳۸۲ھ ص ۲۰۴ [6] الاتقان للسیوطی ط ۳۰، (۱۹۵۱ء) ص ۱۱۳ [7] النہایہ فی غریب الحدیث و الاثر لابن الاثیر تحقیق طاہر احمد الزاوی، محمود محمد الطناحی ط ۲۰۱ القاہرہ! دار الفکر ۱۳۸۳ھ ج ۱ ص ۶ و ۸ [8] معجم الادباء ج ۵ ص ۲۱۴ [9] ایضاً ص ۲۲۰ [10] ایضاً ص ۲۲۰-۲۲۱۔

صحت کے اصول وضوابط | نسخ سے کتاب کی تصحیح ومقابلہ جہاں تک ہو جاتا تھا وہاں "بلغ" یا بلغ العرض وغیرہ کے ہم معنی الفاظ لکھے جاتے تھے۔[1]

تصحیح میں احتیاط واصطلاحات | محدثین دو حدیثوں میں فصل کی خاطر دائرہ بناتے تھے، مسلسل نہیں لکھتے تھے، جو الفاظ، حدیث کی کتابوں میں بکثرت استعمال کئے جاتے تھے ان کی درج ذیل مختصر علامتیں مقرر کی گئی تھیں اور یہ طریقہ ان میں شائع ذائع تھا،

حدثنا کی جگہ	ثنا نا	فحینئذ	فح
اخبرنا	انا، ابنا	الی آخرہ	الخ
قال	ق	والمصنف	المص
قال حدثنا	قثنا	التحویل	ح
المطلوب	مط	البخاری	خ
محال	مح	مسلم	م[2]
باطل	بط	وحینئذ	وح

اس طرح حوالوں میں کتب حدیث کے ناموں کے لئے مختصر علامتیں استعمال کی جاتی تھیں،[3]

کتابت وکتاب کی آرائش وزیبائش کی خاطر گل کاری کی جاتی پھول پتی اور بیل بوٹوں میں مفرد ومرکب دونوں قسم کے رنگ بھرے جاتے تھے، چنانچہ زرد، سرخ، گلابی، نیلا، زنگاری، عودی، سبز، گلگون، نارنجی،[4] یہ رنگ عہد عباسی میں خوشنویس برابر استعمال کرتے رہے تھے،[5]

---

[1] مناہج العلماء فی البحث العلمی، ص ۷۴۔ [2] ایضاً۔ ص ۷۴ [3] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن الاثیر مصر المطبعۃ الوہبیہ، ۱۲۸۰ھ ج ۱ ص ۸ [4] رسالہ خط رضی الدین محمد قزوینی "ہنر ومردم" شمارہ ۸۵ (آبان ۱۳۴۸ ش) ص ۵۱ [5] اورنگ چمن دیبی پرشاد بدایونی، کانپور، مطبعہ نظامی ۱۲۹۲ھ ص ۱۰-۳۱،

عہد عباسی میں رنگوں کے ذریعہ کتابوں کو ممتاز کیا جاتا اور ترتیب سے رکھا جاتا تھا، چنانچہ ابوبکر صولی المتوفی ۳۳۶ھ نے اپنے کتب خانے میں کتابوں کو رنگوں سے ممتاز کر کے رکھا تھا۔[1]

اسلامی قلمرو کے دیار مشرق ومغرب میں تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی سے کتب خانوں کی رنگوں سے زینت بڑھائی جاتی تھی، کمروں کی چھت، الماری، غالیچے، پردے اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کا خیال رکھا جاتا تھا، چنانچہ قاضی ابن فطیس قرطبی (۳۴۸-۴۰۲ھ) نے اپنے کتب خانے کے کمروں کی چھتوں، دیواروں، دروازوں، غالیچوں، پردوں، الماریوں اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کو ملحوظ رکھا، اور امتیاز قائم کیا تھا۔[2]

مصاحف کی نقل اور علمی کتابوں کی کتابت واشاعت کا اہم ذریعہ وراقت کا پیشہ تھا، علماء نے اس کو بہتر پیشہ قرار دیا، اور وراق کو اس نعمت کی قدر بھی بتائی تھی کہ وہ طلبہ اور اہل علم کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور جن کے متعلق گمان غالب ہو کہ وہ کاغذ علمی کتابیں لکھنے کے لیے خریدتے ہیں، انھیں ترجیح دیں، اصحاب ہویٰ اور خرافات لکھنے والوں کو کاغذ فروخت کرنے سے باز رہیں۔[3]

کاتبوں کا ضابطہ اخلاق | آج دنیا میں کسی ملک وقوم کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں جو کاتبوں کو کتابت سے روک سکے اور انھیں حسن معاملہ کا پابند بنا سکے لیکن اسلام نے کتابت کو معاملات میں داخل کیا تاجر ومستاجر پر پابندیاں عائد کیں تاکہ معاشی دوڑ میں معاشرہ میں فساد راہ نہ پا سکے۔ وہ پابندیاں حسب ذیل تھیں۔

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۴۳۱ [2] تاریخ قضاۃ الاندلس لابی الحسن بن عبداللہ النباہی المالقی القاہرہ دار الکاتب المصری، ۱۹۴۸ء ص ۸۰ [3] معید النعم ومبید النقم للسبکی تحقیق محمد علی النجار، القاہرۃ۔ دار الکتاب العربی ۱۹۴۸ء ص ۱۳۲۔

۱۔ کاتب و ناقل پر لازم ہے کہ گمراہ کن اور غیر مفید کتابیں لکھنے سے باز رہے، اس میں اوقات عزیز برباد ہوتے ہیں، دین کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اسی طرح فحش لٹریچر، بدمستی و بدکاری کے موضوع پر کتابیں لکھنے سے گریز کرے، یہ عزت وآبرو کو پامال کرنے کا سبب ہوتی ہیں، نقل نویسوں کو ان باتوں سے بچنے کی ہدایت اس لئے کی جاتی ہے کہ دنیا دھوکہ دیتی ہے اور اکثر اوقات اس قسم کی کتابیں نقل کرنے والوں کو علمی کتابوں کے ناقلوں سے زیادہ اجرت پیش کی جاتی ہے، لہذا نقل نویسوں کو دنیا کے عوض دین فروخت نہیں کرنا چاہئے۔

نقل نویس خدا کا خوف نہیں کرتے، جلدی جلدی لکھتے ہیں، کتاب جلد پوری کرنے کی خاطر نقل کرتے وقت بہت سی عبارتیں چھوڑ جاتے ہیں، حالانکہ معاملہ پوری کتاب کے نقل کا ہوتا ہے، ایسے نقل نویس علم کو برباد کرتے، اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، کلام کو بے ربط بنانے کا جرم کرتے ہیں، مصنف کی تصنیف میں قطع و برید کا ارتکاب کرتے اور کام میں چوری کرتے ہیں

فقہاء میں، امام نووی نے تصریح کی ہے کہ کسی نے اجرت پر لکھوایا، پھر کاتب نے غلط لکھا یا عربی زبان میں لکھوایا، اور اس نے کسی عجمی زبان میں لکھا یا اس کے برعکس کیا تو اس پر کاغذ کی قیمت کا تاوان آجائے گا، اور وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، قریب قریب ایسی ہی بات امام غزالی نے فتاوی میں کہی ہے۔

علی بن عبد الکافی سبکی سے کسی نے فتوی لیا کہ کسی نے نقل نویس سے کتاب نقل کرنے کی بات طے کی، نقل نویس نے ایک سال تک نہیں لکھا، اور اس مدت میں اس کا خط بڑھیا ہوگیا تو کیا اسے خط کے بڑھیا ہوجانے کی وجہ سے زیادہ قیمت طلب کرنے یا معاملہ فسخ کرنیکا حق ہے، موصوف نے فتوی دیا کہ دونوں باتوں کا اسے اختیار نہیں، سابقہ اجرت ہی پر لکھنا لازم ہے، جو نقل نویس سے اجرت پر لکھوائے، اس پر لازم ہے کہ وہ اوراق اور ہر صفحہ کی سطروں کا بھی تعین کرے،

اگر سیاہی متعین نہ کی ہو تو عادۃً جس سیاہی سے لکھا جاتا ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اختلاف کی صورت میں وضاحت ضروری ہوگی، ورنہ معاملہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔[۱]

کاتب و ناقل کی شرطیں | جو شخص علوم فقہ، لغت، عربیت و اصول وغیرہ کی کتابیں نقل کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس نے ان فنون کو پڑھکر ان میں بصیرت پیدا کی ہو تاکہ وہ غلط، تحریف و تبدیل سے، الفاظ کو غلط پڑھنے، غلط لکھنے سے بچے، ایک باب کے دوسرے باب سے، سوال کے جواب سے فصل کے دوسری فصل سے، اصل کے فرع سے اور فرع کے اصل سے امتیاز کو تنبیہ کو فائدہ سے، سوال سائل کو اور معترض کے اعتراض کو خوب پہچانتا ہو، مقصد اور آخر کلام تک بات کو سمجھتا ہو، نقل کرتے وقت وہ ایک کلام کو دوسرے کلام سے مختصر فاصلہ پر جدا کرسکے اور دوسرے کے قول کو ایسے اشارہ سے نمایاں کرسکے جو اس کے امتیاز کی طرف رہنمائی کرسکے ورنہ وہ ناقل و ناسخ حاطب لیل ہے، جسے نہیں معلوم کہ کس وقت صبح نمودار ہوگی وہ ایسے سیلاب میں بہ رہا ہے جسے صبح و شام کی خبر نہیں۔

جو تاریخ کی کتابیں لکھنا اور نقل کرنا چاہتا ہے اسے بادشاہوں کے نام، ان کے القاب، ان کے اوصاف اور کنیتوں کو جاننا چاہیے، خاص طور پر عجم، ترک و خوارزم کے بادشاہوں کے اس لئے کہ ان کے نام عربی نہیں ہیں، انھیں نقل کے ذریعہ جانا جاتا ہے، اس بنا پر چند رہنما اصول اور اشاروں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ملک، شہر، دیہات، قلعے، نواح شہر، قصبے اور اقلیم کے ناموں کو جاننا اور ان اسماء کو جاننا جن میں خطی مشابہت اور تلفظ مختلف ہے، یا خطی و لفظی مشابہت ہے اور ان کی نسبت میں اختلاف پایا جاتا ہے واقفیت ناگزیر ہے، اگر ان میں امتیاز ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، تو سامع کو الجھن ہوگی، اور واقعات سے

---

[۱] معید النعم، ص ۱۳۱-۱۳۲۔

اچھی طرح واقف نہیں ہو سکے گا، ناسخ و کاتب پر لازم ہے کہ وہ ان باتوں کو واضح کر کے لکھے۔

ناقل اشعار پر اوزان اور عربیت سے واقفیت بھی لازم ہے۔[1]

یہی وجوہ ہے عہد عباسی کی نوشتہ کتابوں میں غلطیاں کم پائی جاتی ہیں اور اس دور کا ثقافتی ورثہ عام طور پر غلطیوں سے محفوظ رہا ہے، جن اقوام نے اپنے علمی ورثہ میں صحت کا اہتمام نہیں کیا، ان کا تحریری سرمایہ اغلاط سے پر رہا، چنانچہ پندرہویں صدی عیسوی کے وسط تک یورپ کو جو مسودات مہیا تھے، وہ اغلاط سے پر تھے۔[2]

یہ وہ رہنما اصول ہیں جن سے آج بھی قلمی کتابوں کے نقل میں مفر نہیں۔

---

[1] نہایۃ الارب فی فنون الادب شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب النویری، القاہرۃ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۳۵۱ھ ج ۹ ص ۲۱۴-۲۱۵

[2] The Encyclopaedia Americana - 198- edn. Vol. 2 P59c

بزم تیموریہ جلد اوّل

اس جلد میں شہنشاہ اکبر کے علمی ذوق اور علمی قدردانی کے سلسلہ میں اس کے دربار کے گل سرسبد عبدالرحیم خانخاناں کی علم پروری، علم دوستی، سخن سنجی اور اس کے علمی ذوق کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے، وہ جس طرح شعراء کی تربیت کرتا تھا جس طرح نیاضی کا مینہ ان پر برساتا تھا جس طرح ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسی کے ضمن میں خود اس کے دربار کے منسلک شعراء عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری نیشاپوری، محتشم کاشی، رسمی، نوعی شیرازی وغیرہ جیسے اساتذۂ سخن کے مختصر حالات کے ساتھ ان کے ہر طرح کے کلام کا بہترین انتخاب بھی دیا ہے اس حصے میں بابر اور ہمایوں کے علمی ذوق کے سلسلہ میں ان کے دربار کے ادباء فضلاء اور شعراء کا ذکر اور ان کے کلام کا انتخاب ہے۔

قیمت ۲۶/- روپیے مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن